شمارہ مارچ

2017

ست رنگ میگزین

★ بند قبا کھلنے لگی جاناں

★ تیرے بن جی نہ سکے

★ عشق سنگ مرمر سا

سلسلے وار ناول

حمد باری تعالیٰ

ایک لفظ کن سے دنیائیں بنا دیتا ہے تو
زندگانی کے سبھی ساماں سجا دیتا ہے تو

رات کی آغوش میں دن کو سلا دیتا ہے تو
صبح دم سورج کو چمکا کر ضیا دیتا ہے تو

آسماں پر ابر کے دریا بہا دیتا ہے تو
ابر کے دریا کو پھر قطرہ بنا دیتا ہے تو

ہر نفس کو آگ پانی اور ہوا دیتا ہے تو
موت دے کر زندگی کو پھر جلا دیتا ہے تو

نوح کی کشتی کنارے پر لگا دیتا ہے تو
راستہ موسیٰ کو پانی میں دکھا دیتا ہے تو

پیٹ میں مچھلی کے یونس کو غذا دیتا ہے تو
حضرت ایوب کو صبر و رضاء دیتا ہے تو

فہرست

ایڈیٹر۔عدیلہ سلیم۔علینہ ملک۔کہکشاں صابر
میگزین کور ڈیزائنگ اینڈ ایڈیٹنگ۔کہکشاں صابر
میگزین ڈیزائنر۔عدیلہ سلیم
میگزین کمپوزر۔علینہ ملک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ......

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و براکاتہ......

مارچ کا پر بہار مہینہ جس کی اہمیت پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جاتی رہے گی بلاشبہ وہ مہینہ ہے جو کئی لحاظ سے خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے 23 مارچ وہ تاریخ ساز دن جب قرارداد پاکستان پیش کی گئی ، پاکستان کے قیام میں سنگ میل ثابت ہوا۔ پاکستان جس کا وجود اسلام اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل ہوا، آج بھانت بھانت کے نظریات ، علاقائی اور صوبائی تعصبات اور بے حساب تفرقات میں بٹا ہوا ہے......افسوس تو اس بات کا ہے کہ جو ملک ہمارے اسلاف نے بے شمار قربانیوں کے بعد صرف ایک دین اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا تھا آج اسی دین اسلام کے پیروکار آپس میں لسانی اور جماعتی بنیادوں پر باہمی چپقلش کا شکار ہیں اور بلاشبہ اس کا فائدہ صرف اور صرف ان دشمنوں کو حاصل ہو رہا ہے جو ہمیشہ سے پاکستان کے وجود سے ہی نالاں تھے۔ یاد رکھنے کی بات تو یہ ہے کہ قومیں اتحاد اور یگانگت سے پروان چڑھتی ہیں اور کامیابی کی منازل طے کرتی ہیں چنانچہ پاکستانی قوم کو بھی اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اشد ضروری ہے کہ آپس کی نفرتوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف قومی اور ملی مفاد کو مدنظر رکھیں تو کچھ بعید نہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا کی ایک طاقتور اور بہترین جمہوری ریاست بن کر ابھرے......انشاء اللہ

بقول اقبال:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اب کچھ بات ہو جائے میگزین کی تو؛

الحمد اللہ قارئین "ست رنگ" مارچ کا شمارہ اپنی پوری بہار اور آب و تاب کے ساتھ آپ کے سامنے جلوہ

افروز ہے۔ جس میں شامل ست رنگی دھنک سلسلے ہمیشہ کی طرح آپ کی پسندیدگی سمیٹنے میں کامیاب رہیں گے۔ بلاشبہ ست رنگ کی کامیابی میں اللہ کی ذات کے بعد بڑا ہاتھ ہمارے ان قارئین کا ہے جو نہ صرف ہمارا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں بلکہ ان کی مثبت تنقید اور تجاویز ہمیں میگزین کو بہتر سے بہترین بنانے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی میں شکریہ ادا کروں کی ان تمام دوستوں کا جو میگزین کی تیاری میں قدم بہ قدم ہمارے ساتھ ہیں۔ مارچ کے شمارے پر آپ سب کی تنقیدی آراء کے منتظر رہیں گے۔ آئندہ شمارے تک اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمارے وطن کو ہمیشہ یوں ہی قائم و دائم رکھے......آمین

خوش رہیے اور خوشیاں بانٹتے رہیے۔

جزاک اللہ خیر......

دعا گو: علینہ ملک

☆......☆......☆

☆ کن فیکون ☆

تحریر: کہکشاں صابر

قرآن پاک میں اللہ تعالی اپنی قدرت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے!
کہ جو کام کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو میں ایک " کن" کہتا ہوں اور وہ ہو جاتا ہے
کیا کمال کی طاقت ہے؟؟
کیا سبحان اللہ کی قدرت ہے؟؟
اک انسان چاہے کتنی بھی عقل کا سمندر بن جائے ان الفاظ کو کھل کر بیان نہیں کر سکتا۔۔۔
کن فیکون کے مفہوم تک کی رسائی بہت مشکل ہے، ہم اس وقت تک کن کو نہیں سمجھ سکتے جب تک فیکون کو ناں سمجھ لیں۔۔۔
کن۔۔۔(ہو جا) یہ اللہ پاک کی طاقت ہے وہ جہاں چاہے ناممکن میں ایک کن سے معجزہ کر دے اور فیکون (ہو جاتا ہے) یہ اس چیز کی پہچان ہے جو اللہ کے ایک حکم کی تکمیل کو پلک جھپکتے ہی پورا کر دیتی ہے یعنی معجزے پر معجزہ۔۔۔سبحان اللہ۔۔۔۔
جیسے اللہ تعالی کی اس وسیع کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے۔۔محتاجی محتاجی۔۔۔۔ ہر قدم میں وہ رب کریم کا محتاج ہے چاہے انسان کو اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو۔۔۔لیکن اک بات ہر انسانی عقل میں روز اول کی طرح محفوظ ہے اور تا قیامت تک یہ معجزہ ہوتا رہے گا۔
انسان کی تخلیق اور پھر اسے دنیا میں بھیج کر موت دینا اور موت کے بعد قیامت کے روز اس کو دوبارہ اٹھانا اللہ پاک کی قدرت کے آگے ایک کن کا فاصلہ ہے۔۔۔اللہ پاک کو کوئی کام کرنے کے لیے نہ تو ہماری طرح تگ و دو کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی وہ ہم انسانوں کی طرح ذرائع کا محتاج ہے۔

سورت آل عمران اور سورت یٰسین میں اللہ پاک نے حضرت مریم کے گھر بن باپ کے حضرت عیسی کو معجزے کی صورت میں پیدا کیا۔ جب اس خوشی کی نوید کو فرشتوں نے حضرت مریم کو سنایا تو آپ کے خدشات کے تحت فرشتوں نے کن فیکون کہہ کر اللہ پاک کے معجزوں بھری نشانی بتائی۔۔۔

اسی طرح حضرت عیسی کی مثال ہویا حضرت آدم کی مثال، جسے اللہ پاک نے مٹی سے بنا کر، کہا تھا ہو جا اور وہ ہو گیا تھا۔۔ حضرت عیسی صرف ایک پاکیزہ ماں کی اولاد تھے تو حضرت آدم اللہ پاک کی شان۔ طاقت وقدرت کی تخلیق جو کن فیکون سے ہوئی تھی بیشک اللہ پاک رب ہے ہمارا اور تمھارا، نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد۔۔۔ تو اس کی بندگی کرو۔۔ یہی راہ سچی اور سیدھی ہے۔

سورت انعام، سورت النحل اور سورت یٰس میں بھی اللہ پاک نے اپنی قدرت کی شان بیان کی ہے کہ کیسے اللہ پاک نے یہ وسیع کائنات بنائی کیسے انسان کی تخلیق کی۔۔ اور اگر وہ چاہے تو ایک صور پھونک کر سب فنا کر دے گا اس کے بعد کن فیکون کہتے ہی سب ویسی ہی بن جائے گی۔ کیونکہ اللہ پاک بیشک جاننے والا، حکمت والا اور طاقت وقدرت رکھنے والا ہے۔

اے میرے کن فیکون......

تیری حد سے میں کہاں دور نکل سکتا ہوں......

تیری مرضی ہے مجھے توڑ دے اور پھر سے بنا......

پھر مجھے خاک نشین کر کے یونہی جینا سکھا......

میرے اندر جو خلا ہے میرے مالک بھر دے......

تو نے جو خاص توجہ سے بنایا ہے یہ دل......

اسکو مٹی میں ملا دے یا تو پورا کر دے......

میرے خالق میں تیرے کن کی طلب میں زندہ ہوں......

ہر گھڑی اک قیامت سے گزر جاتا ہوں......

اتنی شدت سے میرا پہلو سلگ اٹھتا ہے......

ضبط کی حد سے گزر جاتا ہوں......

مر جاتا ہوں......

میرے خالق !......

تیرے کن فیکون کہتے ہی......

پھر زندہ بھی ہو جاتا ہوں......

☆☆☆

☆ قرارداد لاہور ایک سنگ میل ☆

علینہ ملک ۔ کراچی

مارچ کا مہینہ پاکستان کی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مارچ کے مہینے میں ہونے والے اہم واقعات میں سے ایک اہم ترین اور یادگار دن جو کہ پاکستان کی بنیاد اور سنگ میل کہلاتا ہے وہ دن "23 مارچ 1940" ہے جس کو پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے اور ہمیشہ لکھا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی مارچ کے مہینے میں کئی اہم دن آئے جن میں سے ایک قرارداد مقاصد ہے، 12 مارچ 1949 کو منظور ہوئی اور ہمارے آئین 1956 اور 1973 کا اہم حصہ بنی، اس کے علاوہ 1956 کے آئین کی منظوری بھی اہم سنگ میل ہے جو 23 مارچ سے نافذ کیا گیا۔ یہ تینوں اہم واقعات ہیں ہماری تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور ہماری قومی زندگی کے دھارے کا رخ متعین کرتے ہیں۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی۔ ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں ہندو اور مسلم۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں اسلام کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان حالات نے مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس سے پہلے مسلمان کانگریس پارٹی کے ساتھ چل رہے تھے مگر پھر انہوں نے ایک الگ پارٹی بنائی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے تن من کی بازی لگا دی۔

چنانچہ 23 مارچ 1940 کے دن مسلمانانِ برصغیر نے اپنی نمائندہ قومی جماعت ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم محسن اور محبوب ترین رہنما قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک

تاریخی قرارداد منظور کی۔اس قرارداد میں دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمان اکثریت پر مشتمل علاقوں میں آزاد خود مختار ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا اگرچہ قرارداد لاہور میں لفظ پاکستان کا استعمال نہیں کیا گیا تھا مگر پھر بھی اس قرارداد کو قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔چوہدری رحمت علی نے 1933 میں اپنے پمفلٹ ''نوا ینڈ نیور'' میں اس کیلئے پاکستان کا مقدس نام تجویز کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ دوستوں اور دشمنوں دونوں نے ہی قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام دے کر اپنے اپنے نظریہ کے مطابق اس کی حمایت اور مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگادی اس قرارداد کی منظوری کے صرف سات سال،دو ماہ اور گیارہ دن بعد 3 جون 1947ء کے تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان کر کے قیام پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرلیا گیا اور 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی نظریاتی ریاست معرض وجود میں آ گئی۔

آج تجدید عہد کا دن ہے اور سوچنے کا بھی دن ہے کہ جس ملک کی 23 مارچ 1940 کو بنیاد رکھی گیا یہ وہی پاکستان ہے؟ جو جذبہ اس وقت کے لیڈروں میں تھا کیا وہ جذبہ آج کے لیڈروں میں ہے؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصیغر جنوبی ایشیاء میں پاکستان کا قیام مسلمانوں کی قومی فتح ہے۔انگریز سامراج کے دور اقتدار میں مسلمانوں پر قیامت خیز مظالم ڈھائے گئے اور ان کو سیاسی،معاشی،معاشریت،تعلیمی ،قانونی اور مذہبی حقوق سے محروم کرنے اور پسماندہ تر بنانے کیلئے ہر مذموم کوشش اور کاروائی کی گئی ۔قرارداد لاہور کی منظوری کے ساتھ ہی مسلمانوں برصیغر حتمی طور پر اپنی منزل مقصود اور اپنے نصب العین کا تعین کر کے آزاد مسلم ریاست کے قیام کا فیصلہ کرلیا تھا انگریزوں کیلئے برصغیر کی تقسیم اس کے عالمی مفادات کے منافی تھی جبکہ ہندوؤں نے اس مطالبہ کی شدید ترین مخالفت کی۔گاندھی کی سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جنھوں نے محض ہندومت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا ایک قوم قرار نہیں دیئے جاسکتے تھے۔گاندھی نے کہا کہ اس کے وجود کے تو دوٹکڑے ہوسکتے ہیں لیکن وہ

ہندوستان کے دو ٹکڑے نہیں ہونے دے گا۔مختصر یہ کہ ہندوؤں،انگریزوں اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

قائداعظم نے مطالبہ پاکستان کے مخالفین کے اعتراضات کا بڑے مدبرانہ، بے باکانہ اور جرات مندانہ انداز میں جواب دیا۔قائداعظم نے فرمایا: ”قدرت نے ہندوستان کو پہلے ہی تقسیم رر کھا ہے ہندوستان کے طبعی نقشہ پر مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا پہلے سے موجود ہیں ۔وہ ملک کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ وہ قوم کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ قوم کی ہر تعریف کے اعتبار سے ایک قوم ہیں۔مرکزی قومی حکومت کہاں ہے جس کے اختیار کی خلاف ورزی کی جارہی ہے؟ اگر ہندوستان نے سارا ہندوستان حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس سارے سے محروم ہو جائینگے لیکن وہ مسلمانوں کیلیئے اگر ایک تہائی پر رضامند ہو جائیں تو انہیں وہ تہائی مل جائے گا مسلمان پاکستان کا مطالبہ ہندوستان سے نہیں کرر ہے ہیں کیونکہ پورا ہندوستان کبھی بھی ہندوؤں کے قبضہ میں نہیں رہا ہے یہ مسلمان تھے جنھوں نے ہندوستان فتح کی اور اس پر سات سو سال حکمرانی کی یہ انگریز تھے جنھوں نے ہندوستان مسلمانوں سے چھین لیا تھا مسلمانوں کا مطالبہ انگریزوں سے تھا جن کے قبضہ میں ہندوستان ہے یہ کہنا سراسر حماقت ہوگی کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے“۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت و رہنمائی میں بے مثال قربانیاں دیں اور قائد اعظم نے مطالبہ پاکستان کو عملی جامہ پہنانے اور دوقومی نظریہ کو روشناس کروانے کے لیے برصیغر کے چپے چپے کا دورہ کیا سیاسی کارکنوں صحافیوں،وکلاء ،طلباء وخواتین سمیت ہر ایک نے تحریک پاکستان میں قربانیاں دے کر اپنا تاریخی کردار ادا کیا۔آخر کار وہ مبارک گھڑی آ پہنچی جب 14 اگست 1947 کا مطالبہ پاکستان کا خواب حقیقت میں بدل گیا اور دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی نظریاتی اسلامی ریاست معرض وجود میں آ گئی اگرچہ انگریزوں نے ایک سازش کے تحت پاکستان کو غیر محفوظ اور کمزور بنانے کی

ہر مجرمانہ کاروائی کی تھی مگر ناگزیر حالات میں مسلمانوں نے ٹوٹے پھوٹے پاکستان کو قبول کر کے انگریز اور ہندو سامراج سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

قیام پاکستان سے آج تک غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف ہیں اور وہ پاکستان کو ختم کرنے کے در پہ ہیں۔جس میں وہ کچھ کامیاب بھی ہوئے کیونکہ پاکستان کے ایک حصے کشمیر پر انڈیا قابض ہے اور دوسرے انہوں نے اپنی مکارانہ چال چل کر پاکستان کے ایک حصے کو بنگلہ دیش کی صورت میں الگ وطن بنوا دیا۔آج پھر کچھ دشمن طاقتیں اور غدار وطن پاکستان کو دولخت کرنے کے در پہ ہیں۔وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان مستحکم ہو۔

چنانچہ 23 مارچ کے دن ہمیں یہ عہد کرنا چاہئے کہ پاکستان کی ہر حال میں حفاظت کریں گے۔اس کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کریں گے۔دشمن وطن کو منہ توڑ جواب دیں گے۔غدار وطن کو ختم کر کے یک جان ہونے کا ثبوت دیں گے۔اپنے قائد محمد علی جناح کے دیئے ہوئے اس وطن عزیز کو خوشحال بنائیں گے۔اپنے ملک کے دشمنوں کو نیست و نابود کریں گے۔انشاءاللہ

" افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ"

☆......☆......☆

افسانہ ☆اثاثہ☆

تحریر:عنبرین اختر۔

سنسان رات میں وہ اکیلی کمرے میں بخار سے کراہ رہی تھی ......کون تھا جو اس کی خیریت پوچھتا اور دوائی دیتا...... جب بخار کی حدت تیز ہونے لگی ......تو اماں صالح نے آواز دی ......کوئی ہے جو مجھے ایک گلاس پانی ہی پلا دے......ایک خدا ترس عورت نے آواز سنی ......تو اندر چلی آئی دیکھا تو ایک بوڑھی عورت بخار میں تپ رہی تھی ......اس نے پانی پلایا اور پوچھنے لگی ......اماں تم کون ہو؟

اور یہاں اکیلی کیوں پڑی ہو......اب وہ عورت روز اماں صالح کے پاس آتی ......اور اس کا حال پوچھتی ......ایک دن وہ عورت جس کا نام سلمیٰ تھا......اماں سے پوچھنے لگی کہ تمہارا کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے ......تب اماں صالح نے کہا......

ہم شہر کے امیر لوگوں میں شمار ہوتے تھے......میری ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں......ہم نے ان کی شادیاں بڑی دھوم دھام سے کیں......میرے شوہر دو سال پہلے ہارٹ اٹیک سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے......میرا داماد ایک لالچی انسان تھا......شہر کے ایک رئیس سلیمان نے میرے داماد کو بھڑکایا......

میں خوش تھی کہ چلو ان فرائض سے فارغ تو ہوئی ......لیکن مجھے گھر کے باہر کے حالات کی خبر نہ تھی ......بیٹے کیا کرر ہے ہیں......داماد روز کدھر جاتا ہے......میرے میاں نے ایک فیکٹری اور کچھ بزنس چھوڑا جس کو میرا داماد اور بیٹے چلا رہے تھے......ایک دن بزنس میں کچھ نقصان ہوا......آہستہ آہستہ خسارہ مزید بڑھتا گیا......فیکٹری بھی بند ہونے لگی ......ایک دن رئیس سلیمان کا فون آیا......جو میں نے ہی سنا......فیکٹری رئیس کے ہاتھ چڑھ گئی......یہاں تک کہ کوٹھی بیچنے کی نوبت آ گئی......لیکن میں نے کوٹھی نہ بیچنے دی......کیونکہ یہ میرے مرحوم شوہر کی نشانی تھی ......میں نے بہت زور لگایا......لیکن میرے

بیٹے اور داماد راضی نہ ہوئے......اور کوٹھی بک گئی......بیٹوں نے مجھے الگ گھر لے دیا......اور خود بھی وہیں رہنے لگے......زندگی کی گاڑی مشین کے پہیوں کی طرح چلتی رہی......ایک دن میں اخبار میں اشتہار دیکھ کر حیران رہ گئی......کہ رئیس سلیمان نے ایک اور بزنس مین کو بھی لوٹا......جالی دوائیاں بنانا اس کا کام تھا......

کچھ دنوں بعد میرے داماد کی رئیس سلیمان سے اچانک ملاقات ہوئی وہ گھبرایا ہوا تھا......شاہد پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی......آخر کار پولیس نے اسے پکڑ لیا......ایک دن میرے بیٹوں اور داماد کو بھی پولیس پکڑ کر لے گئی......میری بہو نے اس دن کے بعد میری خبر نہ لی......بیٹی اللہ کو پیاری ہو گئی......میں اکیلی رہ گئی......گھر کا خرچہ کہاں سے چلتا......مجھے بیماری نے آ لیا......آج تک نہ بیٹوں کا پتہ چل سکا نہ داماد کا......سارا دن اکیلی روتی رہتی ہوں......سلمیٰ نے اماں صالح کی دکھ بھری کہانی سن کر تسلی دی......اور کہا آپ پریشان نہ ہوں میرا بیٹا وکیل ہے......اور بیٹی بی اے کر رہی ہے......میں اپنے بیٹے سے بات کروں گی......مجھے یقین ہے آپ کے بیٹے بے قصور ہوئے تو ضرور آپ کے پاس رہا ہو کر آئیں گے......

عدالت کے ذریعے میرے بچے رہا ہو گے......جبکہ رئیس سلیمان کو عمر قید کی سزا ہو گئی......میں اپنی کوٹھی میں واپس آ گئی......اور سلمیٰ کی بیٹی کو اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے مانگ لیا......آج میں بہت خوش ہوں کیونکہ میرا کھویا ہوا اثاثہ مجھے میرے صبر اور حوصلے سے واپس مل گیا ہے......بیشک جو کسی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے......

افسانہ ☆ پچھتاوا ☆

تحریر: دیا خان بلوچ

وہ چمکتی ہوئی گاڑی سے اتری اور سیدھی گیٹ کے پاس جا کر چوکیدار سے کچھ کہا وہ اٹھا اور اندر گیا......

پانچ منٹ کے بعد وہ لوٹا تھا......

صاحب کہہ رہے ہیں وہ ابھی مصروف ہیں ،کل آفس میں بات کریں گے......

وہ دم بخود کھڑی تھی ،وہ شخص جو ہر لحہ اس سے ملنے کے لئے بیقرار رہتا ہو ،اب اچانک اتنا کیسے بدل گیا ہے......نا چاہتے ہوئے بھی لوٹنا پڑا تھا......

یہ سلسلہ کچھ ہفتوں سے چل رہا تھا بلال ،شازمین کو اگنور کرنے لگا تھا......وہ کال کرتی فون مصروف کر دیتا ،وہ ملنے آتی تو خالی لوٹا دیتا......

بلال اور شازمین ایک پرائیوٹ فرم میں کام کرتے ہیں......شازمین امیر گھرانے سے تعلق رکھتی ہے ،اکلوتی ہونے کی وجہ بہت زیادہ اہمیت اور محبت سمیٹی تھی اس نے......بلال ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے......شازمین کو بلال پہلی نظر میں اچھا لگا تھا......رفتہ رفتہ یہ پسندیدگی محبت میں ڈھل گئی......بلال پریشان ہوتا تو شازمین جھٹ اس کی پریشانی کو دور کرنے لگتی......اکثر وہ مہنگائی کا رونا روتا اور شازمین سے پیسے لیتا......شازمین اپنی گاڑی بھی اسے سونپ دیتی اور خود رکشہ میں دھکے کھاتی پھرتی......ایک انجانی سی ڈور بندھ گئی تھی ان کے درمیان......شازمین سوچتی جو اس کا ہے وہ بلال کا ہے ،اندھا اعتماد تھا اسے ،تبھی اس نے کبھی غلط نہیں سوچا تھا......

دوسری جانب بلال نے اسے صرف ترقی کی سیڑھی سمجھا تھا ،ہاں محبت کا ناٹک بھی کرتا تھا اور اب یہ کچھ مشکل بھی نا رہا تھا......شازمین کی طبیعت سادہ تھی اس نے کبھی بلال کے مکروہ چہرے کو نا پہچانا تھا......

اسی کی کوششوں سے آج وہ ایک شاندار آفس کا مالک تھا......سب کچھ ٹھیک تھا،اچانک بلال نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی......

پھر یہ معمہ بھی حل ہو گیا جب اسے بلال کی شادی کی خبر ملی......شازمین نے خود کو بے جان محسوس کیا تھا اس لمحے،اس کی محبت اس سے جدا ہونے لگی تھی......اسے سانس لینا بھی مشکل لگا......آج تو بات ہو کر رہے گی،اس نے تہیہ کیا،اپنی جلتی آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے راحت دی اور بلال کے آفس پہنچ گئی......

آج وہ ریسپشن پر رکی نہیں تھی،سیدھی اس کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی......بلال نے ایک نظر اس کے زرد چہرے کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ جان چکی ہے......

کیا ہوا؟

تم نہیں جانتے کیا ہوا ہے؟ شازمین نے لڑکھڑاتے لہجے میں پوچھا......بلال نے گہرا سانس لیا......

تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ میں نے تمہاری ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دیا ہے،ہر ممکن کوشش کی کہ تم اس مقام پر پہنچو اور آج جب اس مقام پہ آئے ہو تو مجھ سے راستے ہی جدا کر لیے ہیں،کیوں کر رہے ہو ایسا؟ ضبط کرتے کرتے بھی دو بوند چھلک پڑے تھے......

شازمین میں نے کب کہا تم سے کہ ہماری منزل ایک ہے؟ ہم اچھے کولیگ ہیں اور کچھ نہیں......جتنی تم میری مدد کرتی تھی وہ کسی اور کی بھی کر دیتی تھی،اس میں جتانے کی کیا ضرورت ہے......اچھی دوست ہو تم............بلال تلخی سے بولا......

بلال،تم میں اور سب میں فرق ہے،تمہاری اہمیت ان سے زیادہ تھی تبھی تم اتنے قریب تھے......وہ سارے وعدے،وہ محبت تم بھول گئے ہو،پہلے محبت تھی اب صرف دوست ہیں،کیا کہہ رہے ہو تم؟ شازمین نے حیرت سے پوچھا......

وہ ایک وقتی سہارا تھا بس،تم نے اتنے احسان کیے تو میں نے بھی تمہیں اپنا وقت دیا......حساب برابر......

اس نے محبت کو بھی ایک معاہدہ سمجھا تھا......

مطلب وہ سب جھوٹ تھا، نظر کا دھوکہ تھا......

تم جو بھی سمجھو شاز مین......تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں اپناؤں گا، ایک ایسی لڑکی کو جو کسی پر بھی اعتبار کر سکتی ہے، مجھ سے پہلے بھی تو تم نے کسی کو سہارا دیا ہوگا......الفاظ تھے یا طمانچہ..............وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی......جسے دل و جان سے چاہا تھا آج وہی اس پر انگلی اٹھا رہا تھا......یہ عیب اسے پہلے نظر نہیں آئے تھے......وہ اس کے ایک ایک لفظ کو سوچ رہی تھی......لیکن اس سوچنے میں اس نے بہت دیر کر دی تھی، کاش پہلے سوچتی تو آج پچھتاوا نہ ہوتا......

جاؤ چلی جاؤ شاز مین، اب تمہاری ضرورت نہیں مجھے، دو دن بعد میری شادی ہے اور میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا......وہ سرد لہجے میں بولا......

شاز مین نے کچھ کہنے کو لب کھولے، لیکن پھر کچھ بول نا پائی......اتنے سرد اور اجنبی لہجے سے وہ پہلی بار آشنا ہوئی تھی......وہ خاموشی سے اٹھی اور اپنے ٹوٹے بکھرے وجود کے ہمراہ باہر آ گئی......کھلی فضا میں سانس لیا اور سوچنے لگی، ہاں غلطی تو میری تھی جو اعتبار کیا،......اور وہ بھی اندھا اعتماد کیا، مجھے کیوں نہیں سمجھ آئی کہ وہ ایک دھوکہ ہے فریب ہے..............

وہ پچھتا رہی تھی اور اس کے سوا وہ کچھ کر بھی نا سکتی تھی......................

☆☆☆

افسانہ ☆املتاس کے پیلے پھول☆

تحریر: ہالہ نور

آج نجانے کیا آفت ٹوٹی کسی معصوم پر جو یہ آندھی، اور وہ بھی سرخ آندھی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی ۔۔۔اماں کی اس بات پر میری تو ہنسی ہی نکل گئی توبہ ہے یہ پرانے زمانے کی خواتین بھی نا ہر اچھے برے موسم کو حالات حاضرہ سے جوڑ دیتی ہیں ظلم تو ہر جگہ روا ہے آجکل کیا نہیں ہو رہا دنیا میں ہزاروں لوگ مر رہے ہیں اب ہر جگہ تو آندھی نہیں آ رہی ہوتی نا عفی آپا!

عدن نے اپنی بات مکمل کر کے عفت کی جانب دیکھا جو مسلسل دیوار پر نظر جمائے جانے کن خیالوں میں گم تھی۔۔

عفی آپا۔۔۔اب کی بار عدن نے بلند آواز میں مخاطب کیا

کیا ہوا عدن؟

مجھے کچھ نہیں ہوا آپ کہاں کھوئی ہوئی ہیں عفی آپا؟

کہیں نہیں سوچ رہی تھی موسم کتنی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے نا!

اففففف میرے خدا آپا یہ اتنا غور کرنے والی بات نہیں ہے

عفی آپا مسکرا دیں اور آپا کی یہی مسکراہٹ تو مجھے پسند تھی میری سانولی سلونی سے عفی آپا سب کا خیال رکھنے والیں سب سے محبت کرنے والی، کیا ہوا جو وہ ظاہری طور پر خوبصورت نہیں تھیں اللہ نے انہیں باطنی روشنی سے ایسا روشن کیا تھا کہ ان سے وابستہ ہر فرد اس ٹھنڈک اور روشنی کو محسوس کر سکتا تھا ایک نہیں محسوس کر پائیں تو فقط اماں نے ان کی محبت کی حلاوت کو اپنے دل میں نا اترنے دیا۔۔۔

وجہ بھی کوئی خاص نہیں تھی بس ہوا یوں تھا جس دن عفی آپا پیدا ہوئیں ہمارے بڑے بھیا جو محض دو برس

کے تھے اللہ کو پیارے ہو گئے بیٹے کے غم کے ساتھ ساتھ نادرہ بیگم جیسی مکھن کی ڈلی کو پہلو میں لیٹی کوئل سے نفرت سی ہو گئی اور ستم یہ ہوا کے عفی آپا کے بعد پے در پے تین بیٹیاں اور ہو گیئں تو وہ ویسے ہی منحوس ٹھہرادی گئیں اماں نے نجانے کیسے جیسے تیسے انہیں پال تو دیا مگر باقی بچوں کے مقابلے میں دبتے رنگ اور چھوٹے قد کاٹھ کی وجہ سے عفی آپا ہر وقت عتاب کا نشانہ بنتی جب تک ابا زندہ رہے اماں کے آگے ڈھال بن جایا کرتے تھے ابا کے گزرنے کے بعد تو اماں کو کھلی چھٹی مل گئی اکثر بھیا کے مرنے کا طعنہ بھی ملتا اور رنگ روپ پر الگ صلوٰاۃ، پر آپا بھی ایسی مستقل مزاج مجال ہے جو ماتھے پر شکن آنے دیں ابا کے مرنے کے بعد آپا نے ہی پاس کے اسکول میں نوکری کر کے گھر کو سنبھالا دیا تھا اس لیے اماں اب کچھ لحاظ کر لیا کرتی تھیں۔۔۔

آپا سکول سے گھر آتیں تو اکثر املتاس کے پیلے پھول ہاتھ میں لیے ہوتے۔ میں ہنس پڑتی آپا پھول تو اچھے رنگوں کے لے لیا کریں آپا ہنس پڑتیں پھول تو پھول ہوتے ہیں عدن! خوشبو دیتے ہیں، درخت کو خوبصورت بنا دیتے ہیں۔

ایسے ہی کہہ رہی تھی آپا!

آجکل گھر میں عدن سے بڑی بہن کے رشتے کی بات چل رہی تھی عدن اماں کے سامنے ایک بار پھر ڈٹ کر کھڑی تھی!

اماں سچ بتائیں عفی آپا کو آپ نے پیدا کیا ہے نا؟

کیسے پاگلوں والے سوال کر رہی ہو عدن اب کیا قیامت ٹوٹ پڑی تمھاری عفی آپا پر؟

آپ ماں ہیں آپ خود کیوں نہیں سوچتیں عفی عفی آپا کے لیے رشتہ کیوں نہیں دیکھتی ہیں آپ؟

بہت خوب عدن بی بی ماں میں ہوں یا تم؟

مجھے معلوم ہے میں نے کیا کرنا ہے!

اس کے لحاظ سے کوئی رشتہ ملا تو کردوں گی آئی سمجھ۔

عدن پاؤں پٹختی باہر نکل گئی

آجکل آپا پہلے سے زیادہ خوش خوش رہنے لگی تھیں میں حیران بھی تھی اور خوش بھی آجکل پیلے پھولوں کی آمد بھی رک چکی تھی لگتا ہے آپا زندگی جینے لگی ہیں عدن دل میں سوچ کر مسکرا اٹھی۔

آپا!

جی آپا کی جان! آپا نے مسکرا کر عدن کی جانب دیکھا

ایک روشنی نے آپا کے چہرے کا ہالہ کیا ہوا تھا۔

آپا مجھے بھی اپنی خوشی کی وجہ بتائیں نا

اچھا سچی بتا دوں؟

آج تو آپا مزاح پر بھی مائل تھیں

جی کیوں نہیں

عدن وہ راستے میں اسٹیشن کے پاس جو املتاس کا پیڑ ہے جہاں سے میں پھول لاتی ہوں وہاں میں نے کسی کو دیکھا تھا پیڑ کے نیچے بنچ پر میں روز آتے ہوئے اس بنچ پر وقت گزارتی ہوں۔۔

وہاں کوئی تھا کچھ دنوں سے آپا اتنی بات کر کے خاموش ہو گئیں

میں آپا کے چہرے کی روشنی کی طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھی کیا کسی کا چہرہ اتنا روشن بھی ہو سکتا ہے

مگر عدن تم! اتنا کہہ کر آپا رک گئیں پھر بولیں

تم اماں کو کچھ نا بتانا

اللہ عفی آپا میں کیوں بتانے لگی میں تو خوش ہوں میری آپا بھی کسی احساس سے مسکرانے لگی ہیں

کچھ دن گزرے میں کالج سے گھر کو لوٹی تو اماں رشتے والی خالہ کے پاس بیٹھی تھیں

بس بہن لڑ کا تو ہیرا ہے ہیرا وہ خاتون ہمیشہ کی طرح لڑ کے کی تعریف میں زمین آ سمان ایک کر رہی تھیں

ان کے جانے کے بعد میں اماں کے پاس پہنچی

اماں یہ کیا؟

میں بتائے دے رہی ہوں اماں میں ابھی شادی نہیں کروں گی نز ہت کے بعد میں تھی اسلیے مجھے لگا اماں نے میرے لیے خالہ کو بلایا۔

اماں ہنس پڑیں جھلی کہیں کی تیرے نہیں عفت کے رشتے کے لیے بلایا بلکہ بلایا کیا خود آئی ہے وہ لڑ کا رنڈوا ہے دو بچے ہیں خیر سے اپنا کاروبار ہے عفت کے لیے ٹھیک رہے گا

اماں !عدن صدمے سے زمین پر بیٹھ گئی

ایسا بھی کیا بیر اماں جو آپ عفی آپا کو ایک دو بچوں کے باپ کے حوالے کر رہی ہیں

چپ کر ماں ہوں میں اس کی دشمن نہیں ہوں

اتنے میں عفی آپا بھی گھر آ گئیں

میں شام ہوتے ہی عفی آپا کو چھت پر لے گئی آپا وہ املتاس کے پیڑ کے نیچے ملنے والے کو کہیں نا رشتہ بھیجے نا آپا عجیب نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں

کیا ہو گیا عدن؟

میں نے من وعن ساری بات بتا دی آپا نے گہرا سانس لیا اور خاموش ہو گئیں

میں نے دل میں سوچ لیا یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہو گا جس دن لڑ کے والے رشتہ فائنل کرنے آ رہے تھے میں املتاس کے پیڑ کے نیچے بنچ پر جا کر بیٹھ گئی جب بہت دیر گزر گئی اور کوئی بھی نا آیا حتی کے آپا بھی نا گزریں وہاں سے تو میں نے ساتھ کھڑے چھابڑی والے سے پوچھا سنو روز یہاں ایک لڑ کا لڑ کی آیا کرتے تھے

بنچ کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے تھے

لڑکے کا تو نہیں پتہ ہاں ایک سانولی سی لڑکی روز یہاں اکیلی بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھی کبھی خود ہنس پڑتی کبھی رونے لگتی

مجھے لگا میرے قدم زمین نے جکڑ لیے ہوں میرے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی عفی آپا۔

میں تیزی سے گھر کی طرف چل دی گھر پہنچی تو گھر کے باہر رش سا لگا ہوا تھا میں تیزی سے اندر گئی صحن کے وسط میں سفید ڈوپٹہ سے ڈھکی خون میں تر بتر لاش رکھی تھی میں تیزی سے آگے بڑھی چہرے سے کپڑا اہٹایا تو چیخ نکل گئی

عفی آپا!

اسکول سے واپسی پر پٹڑی پر سے لاش ملی تھی دیکھنے والے کہتے ہیں پتہ نہیں اکیلی بولتی ہوئی بے دھیانی میں کیسے ٹرین کو نا دیکھ پائیں

املتاس کے پیلے پھول میری مٹھی میں دبے تھے۔۔

☆☆☆

☆ معاشرہ کونہیں اپنی سوچ کو بدلیں ☆

ازقلم ساریہ چوہدری ---- ڈوگہ گجرات

مشہور فلاسفر نپولین کا قول ہے کہ: "تم مجھے اک اچھی ماں دو میں تمہیں اک عظیم قوم دونگا"

.........."اک مشہور کہانی بھی سناتی ہوں کہ ایک استاد صاحب کلاس میں بچوں سے پوچھ رہے تھے آپ بڑے ہوکر کیا بنیں گے؟ سب بچے بتا رہے تھے سر میں ڈاکٹر بنوں گا، کسی نے کہا سر میں انجینئر بنوں گا، کسی نے کہا سر میں وکیل بنوں گا، اور کسی نے کہا سر میں پائلٹ بنوں گا اک بچہ کھڑا ہوا، بولا سر میں اصحابی بنوں گا سب بچے ہنسنے لگے سر نے پوچھا بیٹا آپ نے کیوں اصحابی بننے کا سوچا؟ بچہ بولا سر میری ماں روز رات کو سونے سے پہلے مجھے اک اصحابی کی کہانی سناتی ہیں، میں نے کہانیاں سن کے اندازہ لگایا اس دنیا میں اگر کوئی بہت عظمت والا اور رتبے والا ہے تو وہ اصحابی ہیں اس لئے میں بھی اصحابی بنوگا۔

..........کہانی سنانے کا مقصد بس اتنا تھا کہ آپ نے دیکھا بچے کو وہی یاد تھا اسنے وہی کچھ سیکھا جو اسکی ماں نے سکھایا بتایا..........اک ماں بچے کو بچپن سے جو سکھاتی ہے وہی اسکے ذہن میں بیٹھ جاتا، رچ بس جاتا بڑا ہونے کے بعد اسے جو بھی سکھایا جائے وہ ویسے نہیں سیکھ پاتا جیسے بچپن کا پڑھایا ذہن نشین رہتا ہے..........آجکل ہمارے ملک کے جو حالات ہیں، سب حکومت کو کوس رہے ہیں کہ حکومت نے یہ نہیں کیا، وہ نہیں کیا؟ ایسا کر رہی ہے، ویسا کر رہی ہے حکومت۔ سسٹم بدلنا چاہیئے نیا پاکستان بنائیں وغیرہ وغیرہ...... مجھے بتائیں آپ لوگ، آپ سب جو دوسروں کو الزام دیتے ہیں حکومت کو کوستے ہیں کبھی اپنے گریبان میں جھانک کے دیکھا آپ نے وطن کو کیا دیا وطن کے لئے کیا کیا؟ دوسروں پہ الزام تراشی سے بہتر ہے بندہ اپنے آپکو دیکھے یقین مانیئے اک ایسا معاشرہ جہاں پانی کے کولروں کے ساتھ رکھے گلاسوں کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کے رکھنے کی ضرورت ہو اور جہاں مسجدوں میں نمازیوں

کونماز سے زیادہ اپنے جوتوں کی فکر رہتی ہو وہاں سسٹم نہیں بدلا کرتے......وہاں حکومتیں
بدلنے سے حالات نہیں بدلتے وہاں ضرورت ہوتی ہے سوچ بدلنے کی اپنا آپ بدلنے کی ،اور اسکے لئے
ضرورت ہے ایک اچھی ماں کی جو آپکی نسل بدل سکے معاشرہ بدل سکے اسی ماں کی ،جسکا ذکر نپولین
کیا................یہاں اک اور کہانی سناتی ہوں کہ اک چور تھا بہت ساری چوریوں کے بعد جب پکڑا
گیا تو اسے سزائے موت سنادی گئی پولیس نے جب اس سے آخری خواہش پوچھی تو اسنے کہا پہلے
میری ماں کو پھانسی دی جائے سب حیران ہوئے کہ کیوں؟؟؟ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اسنے کہا
بچپن میں میں نے اک چوری کی تھی تو میری ماں نے مجھے شاباش دی تھی ۔بات پھر وہی آئی کہ ماں نے
جو سکھایا اسنے وہی سیکھا آج ہم اپنے ماحول کو سسٹم بدلنے کی بات کرتے ہیں اپنے حکمرانوں کو الزام
دیتے ہیں ۔آخران حکمرانوں کو جنم دینے والی بھی تو اک ماں تھی نا؟ ھمارے بانی پاکستان کو جنم دینے والی
بھی اک ماں تھی تو انسانیت کے دشمن دہشت گردانکی پیدائش کے پیچھے بھی اک ماں ہے نا آپ حکومت
کومت دیکھیں آپ اپنی تربیت پہ غور کریں اگر آپ نے اک اچھی بیٹی اور بہن کی پرورش کی ہے تو آپ
سوفیصد یقین کرلیں اک دن یہ سسٹم بدلے گا اور ضرور بدلے گا ضرورت ہے ایک اچھے حکمران کی نہیں
ایک اچھی بہن اور بیٹی کی ہے جو اک اچھی نسل کی پرورش کرسکے جو آگے چل کر اک معاشرہ بنے گا اک
ریاست اک قوم بنے گی اپنی سوچ کو بدلیں اپنی بیٹی کو اچھی سوچ دیں یہ سوچ ہی ہے جو قوموں کی تقدیر
بدلتی ہے جہاں ننگے جسموں پھرنے والی عورتیں ہوں اور سر بازار پوسٹروں اور اشتہاروں کی صورت بیچ
گلی چوراہوں کی زینت بنی ہوں جنہیں اپنی عزت اپنے مقام تک کی پہچان نہ ہو جو دل میں بغض رکھ
کے دوسروں کے لئے گھڑے کھودیں وہ عورتیں محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد جیسے عظیم لیڈر جنم نہیں دے
سکتی وہاں غدار اور یزید جیسے لوگ جنم لیتے ہیں ۔ہمیں خود کو بدلنا ہے اپنی سوچ کو بدلنا ہے اپنے گریبان
میں جھانک کے دیکھنا ہے ایک اچھی بیٹی اور اچھی بہن کی پرورش کرنی ہے آپکا معاشرہ آپکا سسٹم خود بخود

بدلے گا یہ صرف دعوی نہیں چیلنج ہے اور آزمائش شرط ہے خدا آپکو مجھے عمل کی توفیق دے (آمین)

وہ انسان نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے

جس دور میں جینا مشکل ہو اس دور میں جینا لازم ہے۔

☆☆☆

افسانہ ☆خسارہ☆

تحریر: ارم فاطمہ۔

وہ متوسط گھرانے کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ بیوہ ماں اور دو بہنوں کا واحد سہارا۔۔۔وہ بی۔کام سیکنڈ ائیر کا سٹوڈنٹ تھا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک۔ زندگی اپنی مخصوص دھیمی رفتار سے پرسکون انداز میں رواں دواں تھی۔۔جمیل صاحب فیکٹری میں سپروائزر تھے۔ اچانک انہیں سانس کی تکلیف شروع ہوگئی ٹیسٹ کروانے پر پتا چلا انہیں پھیپھڑوں کا کینسر ہے۔ بیماری اور دفتر سے مسلسل غیر حاضری پر پہلے انہیں نوٹس ملا اور پھر ایک دن انہیں نوکری سے فارغ کردیا گیا۔ گھر میں پریشانیوں نے ڈیرے ڈال دیے۔ جمع پونجی جمیل صاحب کے علاج پر خرچ ہونے لگی۔ ایک دن وہ انہیں تنہا روتا چھوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

منصور بہت پریشان تھا۔ اپنی ادھوری تعلیم کے ساتھ اس نے کئی جگہ کام حاصل کرنے کی کوشش کی مگر بغیر سفارش اور رشوت کے اس ملک میں کوئی کام ملنا مشکل تھا۔ مجبور ہوکر دیہاڑی پہ کام کرنے لگا۔ ٹھیکیدار کی بے ایمانی پر تلخ کلامی کے بعد اسے اس کام سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ اب گھر میں فاقوں کا راج تھا۔ اپنے کئی دوستوں سے اس نے بات کہ کہ اپنے والد سے کہہ کر کہیں دفتر میں جاب دلوادیں مگر جب قسمت ساتھ نہ دے تو سبھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

حالات سے اکیلے لڑنا بھوک اور ماں بہنوں کی فکر نے اسے بیمار کر ڈالا۔

اس دن دوپہر کو شہر کی مصروف شاہراہ پر سڑک کنارے سر جھکائے بیٹھے وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔ تبھی اس نے سوچا کیوں نہ وہ سگنل پر اخبار بیچنا شروع کردے۔ یہی سوچ کر وہ کسی اخبار کے دفتر جانے کے لئے اٹھا۔ اچانک ایک گاڑی اس کے نزدیک آکر رکی۔

دروازہ کھول کرایک آدمی اترااوراس سے کہنے لگا"بیٹا یہ ذرا پتا سمجھا دوایک ضروری پیکٹ اس پتے پر پہنچانا ہے"۔منصور نے کاغذ پر نظریں دوڑائیں اور پتا سمجھانے لگا۔وہ آدمی کہنے لگا"وقت بہت کم ہے اگر تم یہ پیکٹ پہنچادو تو میں تمہیں اس کے عوض کچھ روپے دوں گا۔بہت ضروری ہے۔"

منصور نے کچھ دیر سوچ کر حامی بھر لی۔وہ پیکٹ دے کرآیا تو اس آدمی نے اسے ہزار ہزار کے کئی نوٹ دیے۔وہ حیران ہوا اتنے سے کام کے اتنے پیسے۔گھر آ کر ماں کے ہاتھ پر روپے رکھے۔ماں بہنوں کے چہروں پر رونق دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔اب اسے یہی انتظار رہتا کہ کب وہ صاحب اسے ملیں۔وہ اکثر اسے ملتے اور اسے اس کام کے عوض بھاری رقم دیتے۔زندگی بہت آسان ہو گئی تھی۔گھر سے فاقوں کے ڈیرے ختم ہو گئے تھے۔

اس دن وہ پیکٹ پہنچا کر مارکیٹ سے ضروری سامان لے کر گھر آیا ہی تھا کہ ٹی-وی پر چلنے والی بریکنگ نیوز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"ایمپریس مارکیٹ میں بم دھماکہ۔دھماکہ خیز مواد ایک پیکٹ مین تھا جو ایک نامعلوم شخص جنرل سٹور میں چھوڑ گیا تھا۔" سی-سی ٹی وی کیمرے سے پتا چلا۔

وہ ابھی ابھی تو ایمپریس مارکیٹ سے آیا تھا۔اس کی ماں ہاتھ اٹھائے شکر ادا کر رہی تھی۔150 افراد کی ہلاکت اور زخمیوں کی اور زخمیوں کی تعداد سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں بھیگ گیا۔اس سے کھانا نہیں کھایا جا رہا تھا۔ٹی-وی پہ نیوز چل رہیں تھیں

"دہشت گردوں نے دہشت گردی کی انتہا کر دی ہے۔عوام سے اپیل ہے ہوشیار رہیں اور اپنے اطراف پر نظر رکھیں۔کہیں بھی کوئی پیکٹ یا تھیلا دیکھیں تو فوری طور پر سپیشل فورس والوں کو اطلاع دیں۔ نیچے نمبر بھی جاری کیئے جا رہے تھے" مگر وہ کچھ دیکھ یا سن نہیں پا رہا تھا۔ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔۔

"وہ بے خبری میں دہشت گردوں کا آلہ کار بن گیا ہے۔۔۔۔۔وہ دہشت گرد ہے۔۔۔کئی معصوم بے

گناہ لوگوں کی موت اس کے سر پر ہے۔۔۔وہ دہشت گرد ہے۔۔۔۔"نہیں۔۔۔ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔وہ چلایا۔اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔وہ کیا کرے؟ چند لمحوں کے لئے ضمیر نے سر اٹھایا۔اس نے فیصلہ کیا اب وہ یہ کام نہیں کرے گا۔پھر وہ کیا کرے گا؟ ماں بہنیں مطمئن تھیں۔انہیں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑ رہے تھے۔ایک بار تعلیم مکمل کرلوں پھر نہیں یہ کام کرونگا۔اس نے فیصلہ کیا اور ضمیر کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔ماں بہنیں گھر پر نہیں تھیں۔ساتھ والی آنٹی نے چابی دیتے ہوئے کہا پاس ہی بازار گئیں ہیں ابھی آجائیں گی۔وہ انتظار کرنے لگا۔ٹی-وی آن کر دیا۔چینل چینج کرتے ایک نیوز چینل پر خبر آرہی تھی" چاندنی بازار میں معمولی نوعیت میں معمولی نوعیت کا دھماکہ زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا۔"

چاندنی بازار وہ تو انہی کے علاقے کا بازار تھا۔اس کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔وہ دھندلی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔دعا کرنے لگا ماں بہنوں کی سلامتی کی رو رو کر دعا کرنے لگا۔دھماکہ معمولی نوعیت کا تھا مگر جو لوگ قریب تھے وہ شدید زخمی ہوئے تھے اور کئی زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو چکے تھے۔وہ بدحواسی سے ہسپتال بھاگا۔سرد خانے میں لاشوں کی شناخت کرتے ہوئے وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

جس بے حسی سے وہ دہشت گردوں کا آلہ کار بنا دہشت گردی کرتا رہا تھا آج اسی دہشت گردی نے اسے بھری دنیا میں تنہا کر دیا تھا۔اور یہ وہ خسارہ تھا جس کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔

☆☆☆
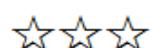
افسانہ☆بے حسی☆

تحریر: منائل۔کراچی

ثنا چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔

اور سب سے بڑی ہونے کے ناطے بہت لاڈلی بھی۔۔۔۔

اپنے اماں بابا کی آنکھ کا تارا تھی۔نازک،صنف مخمل سے بھی نازک بدن تھا......

خوبصورتی کے ساتھ حسن واخلاق کی مالک بہت چھوٹی سی عمر میں بھی بہت حساس اور سمجھدار تھی۔۔۔۔

چھوٹے بھائیوں سے بہت پیار کرتی تھی اپنے اماں ابا میں اس کی جان تھی۔

ایک شام سرمئی بادل اپنی چادر اوڑھے ہوئے تھے شام ڈھلنے کو تھی موسم گرج برس رہا تھا

"ثنا،،اسی اثناء۔۔۔۔؟ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے سر چکرانے سے گرتی ہوئی نیچے دھم آ کر گری"

اس کے والدین جو چارپائی پہ ہی بیٹھے تھے وہاں سے چیختے ہوئے ثنا کو اٹھا کر چارپائی پہ لٹایا اور قریبی کلینک لے گئے وہاں ڈاکٹر نے بہت کوشش کے بعد مشورہ دیا آپ اس کو کسی اچھے بڑے اسپتال لے جائیں فوری طور پر وہ بیچارے اپنی بیٹی کو لے کر اسپتال پہنچے ایمرجنسی میں اس کا ٹریٹمنٹ ہونے لگا۔۔

کچھ دیر بعد ہوش آنے لگا تو ڈاکٹر نے سارہ اور عباس کو تسلی دیتے ہوئے کہا اب آپ کی بیٹی خطرہ سے باہر ہے......

مگر اس کو ایڈمٹ کرنا پڑے گا تا کہ مکمل ٹریٹمنٹ ہو سکے اور کچھ ٹیسٹ وغیرہ ہونگے جس سے ہم بے ہوشی کی اصل وجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔۔۔۔

ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب ہماری بیٹیا ٹھیک ہوجائے بس،ثنا کے تمام ٹیسٹ کی رپورٹ آ چکی تھی کچھ خاص وجہ نہیں خون کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوا،اور بل بناتے ہوئے ڈاکٹر صالح نے عباس کے ہاتھ میں پرچی

تھماتے ہوئے کہا کاؤنٹر پہ بل پے کردیں پھر آپ کی بیٹی کو ڈسچارج کیا جائے گا۔۔۔

ڈاکٹر صاحب میں غریب بندہ ہوں اتنے پیسے کہاں سے لاؤں کچھ رعایت کردیں۔

کیا؟

ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا یہ کوئی ہول سیل کی دکان نہیں یہ کہتے ہوئے اپنے روم تک چلا گیا۔

عباس پہ جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔

آنکھیں نم دیدہ تھی وہ کیا کرتا کہاں سے پچاس ہزار لاتا جو دن کو مزوری کرتا تو شام کو ان کا چولہا جلتا۔۔

بٹیا تو فکر نہ کر کوئی بندوبست کرتا ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا

پھر ہماری رونقیں دوبارہ لوٹ آئیں گی تیرے گھر آنے سے۔

ثنا چپ تھی اس سے باپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی جب اس کا باپ روانہ ہوا تو وہ اٹھ کر اپنی چادر اوڑھ کر ڈاکٹر کے کمرے تک گئی۔

ڈاکٹر صالح نے اسے دیکھتے ہی سوالیہ نظروں سے دیکھا، جیسے وہ بھانپ گیا۔

ثنا نے اپنی چادر اتار کر ڈاکٹر کے قدموں میں پھینک دی اور بے بسی سے کہا اپنی صحت کی قیمت میں خود ادا کرنے آئی ہوں۔۔۔

کون انکار کر سکتا تھا؟؟؟

سولہ سال کی خوبصورت لڑکی اپنی مجبوریوں سے ہار کر اس کے قدموں میں اپنی عزت کا سودا کرنے چلی تھی۔۔۔۔

شام کو جب باپ نے اپنی بیٹی کو دیکھا وہ چادر میں لپٹی اسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔

بیٹی کل تک بندوبست ہو جائے گا آج ادھر ہی رکنا پڑے گا۔

نہیں بابا اب اس کی ضرورت نہیں مگر ڈاکٹر نے تو کہا پچاس ہزار کا بل بنا ہے۔۔۔نہیں بابا اب اس کی

مگر بیٹا بل تو چکانا ہے؟

ہاں بابا وہ بل چکا دیا ہے، اس نے اپنے بابا کی کلائی پکڑی اور گھر کو چل دی۔۔۔۔

افسانہ ☆بند گلی☆

تحریر: حیا غزل۔

ایک کے بعد ایک گلی وہ بے تحاشا سرپٹ دوڑ رہا تھا بدحواس، خوفزدہ چہرہ لئے وہ بار بار پیچھے مڑ کے دیکھتا جیسے کوئی اسکے تعاقب میں ہو......حلق میں پیاس کی شدت سے مانو جیسے خاردار کانٹے اگ آئے ہوں...... مسلسل دوڑتے رہنے سے اسکے جسم کی طاقت جواب دے چکی تھی ......لیکن وہ رک نہیں سکتا تھا......ورنہ زندگی موت کی اس دوڑ میں موت جیت جاتی کاش وہ ایسا کر سکتا اسکی سوچوں کا محور یہ تین حرفی لفظ اسکے سامنے پوری زندگی کو ایک چلتی سلائیڈ کی صورت میں سامنے لے آئے کاش کوئی معجزہ ہوجائے اس نے حسرت سے سوچا......سارے رشتے ناطے دنیاوی لذتیں خواہشات اسکے ذہن و دل سے مٹ چکیں تھیں بے ترتیب ہوتی اور اکھڑتی سانسیں ایک ہی کلمہ پڑھ رہیں تھیں گالوں پر بہتے آنسو ماتھے پر چمکتا پسینہ ہی حقیقت تھے......اس لمحے سوائے رب کے کسی اور کا خیال آ بھی نہیں سکتا تھا......لاکھ پہلو تہی کرو دنیا میں گم کرلو پر اسکے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہوسکتے ......یہی تو قدرت کا معجزہ ہے......ڈگ ڈگ کرتے تیز قدموں نے دوڑ کی شکل اختیار کرلی تھی پر گلیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں تھیں آج شام وہ جیسے ہی تھانے سے ڈیوٹی ختم کرکے نکلا تب سے ہی جیسے قسمت کی خرابی نے پیچھا پکڑ لیا ہو بائیک خراب ہوگئی......سروس ریوالر بھی تھانے کے لاکر میں بھول آیا پھر شومئی قسمت اسنے گھر کے لیے پیدل کا راستہ اختیار کیا جواب ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا......تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی اسے محسوس ہوا کہ اسکا پیچھا کیا جارہا ہے یہ احساس ہوتے ہی ایک عجیب سا خوف اسکی ذات کا حصار کرنے لگا......گھر نزدیک آ گیا تھا پر تعاقب میں دوڑتے قدموں کی آواز اور قریب آتی جارہی تھی ......ریاض جیسے ہی اپنی گلی میں داخل ہوا تو سامنے ایک بند پڑے کیبن کی آڑ میں چھپ گیا پیچ

دسمبر کی ہلکی سرد رات گلی سنسان پڑی تھی لوگ گھروں میں تھے مناحل بھی سرد ہوا سے بچنے کے لئے جب کھلے ہوئے کھڑکیاں دروازے بند کرنے بڑھی تب ہی اسنے حیرت سے سامنے چھپے ریاض کو دیکھا اس سے پہلے وہ کچھ سمجھ پاتی ......اسنے ہاتھوں میں اسلحہ لئے کچھ لوگوں کو اس سمت آتے دیکھا ہڈیوں میں سرایت ہوتے ایک انجانے خوف سے اسنے ایک دم دروازہ بند کیا اور وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی......بے جان گارے سیمنٹ سے بنی دیواریں کم سے کم ہم زندہ انسانوں سے تو لاکھ بہتر ہوتیں ہیں......تم یہاں دیکھو اور پرویز تم دوسری گلی میں جاؤ......ندیم وہ سامنے گلی میں جہاں دوکانیں ہیں وہاں ڈھونڈو آخر بچ کہ جائے گا کہاں بہت شوق تھا خون سے کھیلنے کا آج ہم اس سے کھیلیں گے ......ایک کثیف گالی کے ساتھ انکے بھیانک قہقہوں میں موت کی گونج نمایاں تھی مناحل نے اپنے کانوں پر ہاتھوں کی گرفت سخت کر لی......پر بھاگتے قدموں کی دھمک نے جیسے دیواروں میں بھی ارتعاش پیدا کر دیا تھا......بس کچھ وقت اور......وہ دیکھو وہاں چھپا ہے ریاض کیبن سے نکل کر پھر بھاگا اس بار گھر سامنے تھا وہ چاہتا تو گھر میں داخل ہو جاتا......اگر میری وجہ سے میری فیملی بھی ....نہیں یہ سوچ کے ہی اسکی روح کانپ گئی میرا بیٹا آج ہی تو اسنے پہلا قدم اٹھانا سیکھا بیوی بہن ماں وہ سب یہاں ہیں یہ لوگ تو نہیں جانتے نا شاید ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں اپنے قدم پھر دوسری گلی موڑ لئے جانے کس احساس کے تحت جسم باقی تھا روح تو بہت پہلے ہی جانے کا فیصلہ کر چکی تھی......ایک مناحل ہی کیا سب سن رہے تھے زندگی سے موت تک بڑھتے قدموں کی چاپ پر جیسے سب پس دیوار مردہ ہو چکے تھے زندگی بھی تو ایک بند گلی ہی ہے جسکا ہر راستہ موت پر جا کر ختم ہوتا ہے......سانسوں کے
زیر و بم کے بیچ دل کی بڑھتی دھڑکنیں اضطراب، وحشت بے بسی کا تماشہ دکھا رہیں تھیں بس تھوڑی دیر اور پھر اسٹیج کا پردہ بہت ساری تالیوں کی گونج کے ساتھ گر جائے گا......سنیں نا پھر ہر ایک نے سنیں وہ موت کی آگ اگلتی آوازیں نفرت بھرے قہقہے پورے کے پورے برسٹ خالی کرنے کے بعد بھی بند نہیں

ہوئے ......خاموش فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی پھر ہر طرف خاموشی کسی طوفان کے جانے کے بعد کی جس میں سوئی کے گرنے کی آواز کو بھی سنا جا سکتا تھا......سب منتظر تھے قدموں کی چاپ ختم ہونے کے کون پہل کرے گا......نہیں پہلے وہ تڑپتا جسم ٹھنڈا ہونے دو......تا کہ کسی بچانے والے کی بھی ضرورت نہ پڑے اسکے بعد چوپالیں سجیں گیں گرم گرم دھواں اٹھاتے قہوؤں کی مزے دار چسکیوں کے بیچ یہ بحث کی جائے گی کہ آیا وہ اس موت کا حقدار تھا بھی کہ نہیں پیچھے رہ جانے والوں کے لیئے تاسف کا اظہار اور چہ مگویاں کیں جائیں گیں ......پر ریاض کے جسم کو شاید تڑپنے کی بھی مہلت نہیں ملی......اسکے چہرے پر ایک ابدی سکون تھا اسکا اضطراب ختم ہو چکا تھا اور شاید سب کا بھی ......زندگی پھر لوٹ آئی آگے کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا......جب ہی تو اسکے گھر سے بین کی آوازیں بلند ہونے پر بند گھروں کے دروازے ایک ایک کر کے کھلنے لگے۔

افسانہ ☆رخصتی☆

تحریر: نائید اختر بلوچ۔

"مسز عابد نے اپنی جھلمل کرتی سرخ ساڑھی کے پلو کو درست کیا اور آئینے میں خود کو ایک بار پھر تنقیدی نگاہ سے دیکھا......انہیں لگا جیسے آئینہ بھی انہیں سراہ رہا ہو......وہ مسکرا کر پلٹیں اور سیڑھیاں اترنے لگیں...... نیچے ایک ہنگامہ برپا تھا آج ان کی بڑی بیٹی فرح ناز کی رخصتی تھی......

ان کی سب سے لاڈلی بیٹی جو ہو بہو ان کا پرتو تھی......شکل و صورت سے لے کر عادات تک میں اپنی ماں پر گئی تھی......لمحہ بھر کو اپنی پیاری بیٹی کی جدائی کا سوچ کر ان کی پلکیں بھیگنے لگیں......مگر اس سے پہلے کہ آنکھیں چھلک اٹھتیں, عابد صاحب کو عجلت بھرے انداز میں اپنی طرف آتے دیکھ کر انہوں نے خود کو سنبھالا......"ارے بھئی جلدی جلدی تیاری مکمل کرلیں وہ لوگ بارات لے کر گھر سے ہوٹل کی طرف روانہ ہو چکے ہیں......"

انہوں نے بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے اطلاع دی، اور ہاتھ میں موجود لسٹ پر نگاہ ڈالی......تمام ضروری سامان گاڑیوں میں رکھوایا جارہا تھا......

"وہ ہار اور پھولوں کے ٹوکرے تو رکھوا دیے ہیں نا؟

وہ عابد صاحب سے مخاطب ہوئیں......

"جی بیگم سب کچھ ریڈی ہے بس آپ اپنی تیاری فائنل کریں"......

مما! دیکھیں کیسی لگ رہی ہوں میں؟

خوبصورت بلیو فراک میں ان کی بیٹی مہناز اپنا فراک لہرا کر بولی......

"ماشاءاللہ, میری بیٹی تو اس ڈریس میں آسمان سے اتری پری لگ رہی ہے"

مسز عابد نے اپنی بیٹی کی پیشانی چومتے ہوئے کہا......

اس شادی میں انہوں نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا......خاندان کی پہلی شادی ہونے کی وجہ سے دل کے سارے ارمان نکال رہی تھیں......ایک سے بڑھ کر ایک برانڈڈ ملبوسات, زیورات اور باقی تمام لوازمات پر پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا......

اور شادی کی سج دھج اور شاندار انتظامات دیکھ کر تمام خاندان والوں نے منہ میں انگلیاں داب لی تھیں......کچھ کی نگاہوں سے رشک کی کیفیت جھلکتی تھی......مگر کچھ نے دبے لفظوں میں اسے فضول خرچی کہہ کر اس کی مخالفت بھی کی تھی......مگر مسز عابد نے خاندان والوں کی باتوں کی زرہ برابر پرواہ نہیں کی تھی............ان کی نظر میں سب لوگ حاسد تھے جو ان کی حیثیت سے جلتے تھے............کچھ ہی دیر میں ان کی گاڑیاں ہوٹل کے سامنے پہنچ چکی تھیں......عابد صاحب تمام انتظامات کی نگرانی میں مصروف ہو گئے کیونکہ جلد ہی دلہا والے بھی بارات لے کر پہنچنے والے تھے......اور وہ چاہتے تھے کہ بارات کا ایسا استقبال کیا جائے کہ دنیا والے دیکھتے رہ جائیں......مسز عابد اور ان کی بیٹیاں اپنے ملبوسات اور زیورات کی دل کھول کر نمائش میں لگی ہوئی تھیں......اور جب فرح ناز بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آئی تو لوگوں کی نگاہیں اس پر سے ہٹنا بھول گئیں......مشہور فیشن ڈیزائنر کا تیار کردہ عروسی جوڑا اور مہنگے ترین میک اپ نے اس کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا......مسز عابد اس کی بار بار بلائیں لے رہی تھیں......اچانک فضا میں دلہا والوں کی آمد کا اعلان ہوا......

اس کے بعد رسموں کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا............جس میں پیسے کی بے جا نمود و نمائش صاف ظاہر تھی......یوں لگتا تھا کہ مسز عابد نے یہ شادی اپنی حیثیت دکھانے اور جتانے کے لیے ہی اتنے بڑے پیمانے پر اس شاندار ہوٹل میں ارینج کی تھی......بالآخر رخصتی کی گھڑی آن پہنچی جب فرح ناز سہج سہج چلتی ماں باپ اور بہنوں کے ساتھ باہر کی طرف چلنے لگی......ساتھ ہی خاندان کی بزرگ خواتین بھی آ گئے

بڑھیں......بڑی پھپھو نے مسز عابد کو ٹھوکا دیا......

"ارے کس کے پاس ہے قرآن پاک؟

جلدی سے لاؤ، فرح ناز کو قرآن کے سائے میں رخصت کرنا ہے"

مسز عابد نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا..........مہ ناز کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا......اس نے نفی میں سر ہلا دیا......

پھر ماں کے گھورنے پر پلٹی اور قرآن پاک کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی......

"اف !اب کیا کروں..........؟

قرآن پاک گھر سے لانے کا تو خیال ہی نہیں رہا"

اس نے ایک بار پھر صوفوں پر رکھے سامان کی طرف متلاشی نگاہوں سے دیکھا......سامنے ہی صوفے پر ایک فیشن کیٹلاگ پڑا تھا......اس نے جلدی جلدی اس کیٹلاگ کو ایک سادہ کپڑے میں لپیٹا اور باہر کی طرف بھاگی جہاں سب لوگ اس کے منتظر کھڑے تھے......

تھوڑی دیر بعد اسی فیشن کیٹلاگ کے سائے میں فرح ناز اپنے بابل کے آنگن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی"......

☆☆☆
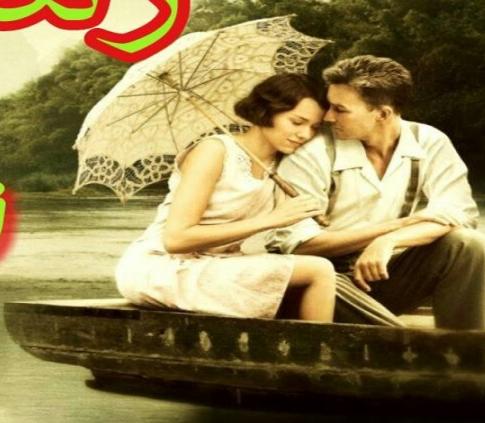
افسانہ ☆زندگی☆

تحریر: نوشین ظہور

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو سورج اپنی ساری خوبصورتی کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔نوشابہ کو سورج کا طلوع ہوتے دیکھنا بہت پسند تھا۔
امی نے ناشتہ پہ بلایا وہ نازونخرے دکھاتی ڈائنگ ٹیبل تک آئی ناشتا کیا اور تیار ہوئی کالج چلی گئی۔کالج میں وہ کوئی بہت لائق فائق اسٹوڈنٹ نہ تھی بس نارمل ہی اس کی سہیلیاں اور وہ زیادہ وقت گپ شپ میں نکال دیتیں۔زندگی کتنی خوبصورت تھی نہ فکر اور نہ ہی کوئی ٹینشن نوشابہ کو دکھ تکلیف جیسی کسی بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔وہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی نازو پلی اس کے ابو اسکول ٹیچر تھے۔کالج سے فارغ ہوتے ہی اس کی امی کو شادی کی فکر لگی۔
ایک رشتہ آیا مناسب تھا لڑکا پڑھا لکھا اور اچھی جاب پہ تھا۔لڑکے والو کو نوشابہ بہت پسند آئی اور اس کا رشتہ طے ہو گیا۔نعیم کا تعلق بھی متوسط گھرانے سے تھا۔شادی بہت اچھے طریقے سے انجام پا گئی۔
شروع میں دونوں میاں بیوی کا وقت بہت اچھا گزرا جب کچھ عرصہ گزرا زندگی روٹین پر آ گئی۔
پھر بات گھرداری کی شروع ہوئی عملی زندگی کے رنگ تب کھلے جب اس کی ساس کو بہو کے ہر کام میں برائی نظر آئی اور بیٹے کے آتے ہی شکایات کا دفتر کھل جاتا۔
نعیم کافی سمجھدار انسان تھا اس نے دونوں خواتین کے بیچ میں جو دوریاں تھی یا کہہ لیں غلط فہمیاں تھیں دور کرنے کی کوشش کی۔لیکن حالات بہت حد ایسے ہو گئے کہ اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔
بیوی کو کچھ کہتا تو بیوی ناراض ، ماں کی نافرمانی کرتا تو فرمان کہلاتا۔
وقت کچھ اور گزرا اللہ نے چاندسی بیٹی سے نوازا سب بہت خوش تھے۔

وقت نے نوشابہ کو بہت بدل دیا اور وہ اپنے سارے رنگ کھو چکی بچوں کی پرورش گھر کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے خود کو کہیں رکھ کر بھول گی۔شوہر بھی وقت کے ساتھ اس سے دور ہوتا گیا اسے پتا ہی نہ چلا کب نعیم اس سے دور ہو گیا اور وہ گھر کی ذمہ داری نبھاتی رہی اور پرسکون تھی کہ اس نے زندگی میں ہر چیز پا لی ہے وہ بہت مطمئن تھی اس کا سکون تب جاتا رہا جب اس نے اپنے ہی شوہر کو کسی اور کے ساتھ دیکھا اس کے اعتبار کی دھجیاں اڑ گئیں اور اسے ایسا لگا کہ آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑا ہو۔

جب اس نے نعیم سے بات کی تو اس نے بہت بے دردی سے اسے جھڑک دیا اور کہا کہ وہ شمیم سے دوسری شادی کر رہا ہے کیونکہ وہ اب نہ تو خوبصورت رہی ہے جو اس کے دل کو بہلا سکے۔

زندگی کا یہ رنگ نوشابہ کے لیے نا قابل برداشت تھا وہ کیسے برداشت کرتی کہ جس ایک شخص کے لیے اس نے اپنی زندگی کے سب رنگ کھو دیئے وہی اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ جائے گا۔۔۔

اسنے دوٹوک فیصلہ کیا اور نعیم کا انتظار شروع کر دیا شام کو نعیم گھر آیا تو اس نے،اس سے بات کی کہ وہ کچھ عرصہ شادی نہ کرے اور کہا کہ وہ اسے دوسری شادی کی اجازت بھی دے گی اور اس کی زندگی سے چلی بھی جائے گی۔

نعیم سوچ میں پڑھ گیا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔نوشابہ جو روز صبح اٹھ کے سب کی خدمت میں لگ جاتی تھی وہی نوشابہ نے اٹھتے ہی سب سے پہلے ایکسر سائز کی پھر اپنے منہ سوارنا شروع کر دیا نعیم کو اسکول جانا تھا وہ ناشتا کا انتظار کر رہا تھا بچے اسکول کے لیے شور مچا رہے تھے پر وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی کسی کی نہیں سنی نعیم بغیر ناشتا کے ہی چلا گیا نعیم کے جاتے ہی اس نے بچوں کو سکول پہنچایا اور ان کو کھانے کو بھی لے دیا۔

اب تو روز کا یہی معمول بن گیا گھر بھی ویسا ہی ہوتا اور وہ بن ٹھن کر خود بیٹھ جاتی

نعیم اس کی اس حرکت سے بہت پریشان تھا اس کا دل کرتا کہ وہ اسے ابھی گھر سے نکال باہر کرے مگر وہ

ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ نوشابہ کو دیا وقت ابھی ختم نہیں ہوا تھا اس کو اس دن کا بہت شدت سے انتظار تھا کہ جب وہ اس کو چھوڑ جائے گی۔

نوشابہ نے اپنی دیکھ بھال اور فیشن پر اس کی آدھی تنخواہ چلی جاتی اور گھر کے باقی اخرجات پورے نہیں ہوتے تھے۔نعیم نے نوشابہ سے کہا کہ وہ یہ فضولیات پے پیسے برباد نہ کرے بلکہ پہلے کی طرح گھر کو منظّم طریقے سے چلائے۔

نوشابہ نے اس سے کہا کہ کیونکہ وہ کچھ عرصہ ہی اس کی بیوی ہے تو وہ یہ سب بالکل بھی نہیں کرے گی وہ جو وقت ہے اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔

گھر مہمان آتے تو سب کچھ باہر سے منگواتی اور جن پیسوں سے پورا مہینہ چلتا تھا اب وہی پیسے دس دن میں ختم اور مزید پیسوں کا مطالبہ شروع ،نعیم کو دن رات اخرجات پورے کرنے کی فکر کھائے جا رہی تھی جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی وہ بھی ختم ہونے کو تھی۔

نعیم بہت پریشان تھا اس نے اپنے دوست کو ساری بات بتائی اور اس کا حل دریافت کیا دوست سمجھدار انسان تھا اس نے اس کو سمجھایا کہ چار دن کی چاندنی کے پیچھے اپنی جنت خراب نہ کرو اور جاو واپس لوٹ جاو اور بیوی وہی دل کو بھاتی جو دکھ سکھ میں ساتھ دے۔

نعیم کی عقل نے بات تسلیم کی اور وہ اپنی جنت کو واپس لوٹ گیا جہاں اس کی ذمہ داریوں میں اس کا ساتھ دینے والی خوبصورت بیوی تھی......

افسانہ ☆خدا☆

تحریر: سارا احمد۔

آذر کی نگاہوں نے نور کے چہرے کا طواف کیا اور سونے کے کنگن اس کی نازک کلائیوں میں پہنا دیئے،

"محبت کا دیوتا اپنی داسی کے جسم کی پور پور پر حاکم ہے اور اس کی تمنا ہے یہ داسی اسے ایسے چاہے کہ اس کے جسم سے پہلے اس کی روح اسے سجدہ کرے_"

"میں تمہیں کبھی سجدہ نہیں کروں گی کیونکہ یہ صرف خدا کا حق ہے اور نہ میں تمہیں ایسے چاہ سکتی ہوں جیسا تم چاہتے ہو"

نور مزاحمت کرنا چاہتی تھی مگر تھم گئی اور اپنے آنسو پی گئی_

سبھی کچھ بدل گیا، زمین پر محبت کی ایک رات نے ان دونوں کو اس طرح ایک دوسرے سے متعارف کروایا کہ سمندر میں ڈوب کر وہ پھر موج اور کنارہ ہو گئے_

"اب تم گھر سنبھالو، میں روزگار دیکھتا ہوں"،

آذر نے تقسیم کر دی_

نور نے سر جُھکا دیا_

مرد کی دسترس میں اگر تقدیر کا قلم ہوتا تو اس کی تقسیم سدا یونہی رہتی_ آذر کے بنائے ہوئے اصول اس کے خواہشوں کے عنوان ٹھہرے، وہ کیا تھی اور کیا بن گئی_ اس کے وجود پر ہر رشتے کی کھال تھی مگر ہر روپ میں ڈھل کر وہ اب نور نہیں تھی_

عیش و آرام اس کی دہلیز پر دربان تھا اور وہ داسی ہی تھی جس نے اس عرصہ میں سینکڑوں بار سب سے زیادہ "جی" لفظ اپنے ہونٹوں سے ادا کیا تھا_

پہلی ایک رات کے سوا وہ کبھی اس کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں سویا تھا_ محل نما گھر میں دیواریں تھیں اوران دیواروں پر آویزاں تصویروں کے آسیب تھے_

جب بھی اس نے خود کو شمار کرنا چاہا آذر کا سایا اسے اس طرح جمع کرتا کہ حلق کے کانٹے پاؤں میں چبھنے لگتے اور وہ اس حصار سے باہر ایک قدم بھی نہ رکھ پاتی_

محبت پرات میں رکھا آٹا نہیں تھا جسے وہ اپنے گداز ہاتھوں سے گوندھ کر تسکین کی آنچ پر پکا کر اسے شکم سیر کردیتی_ اسے کیا معلوم تھا چاہت کے پل صراط پر اپنی جسم کی ہر آنکھ کو اندھا کرنا پڑتا ہے اور روح کی موت سے یہ راستے گلاب ہوتے ہیں_

سمجھوتوں کے کانٹوں کی چبھن سے ایک دن اس کی چیخ نکل گئی"،

"آذر مجھے آزاد کردو"

"یہ شاہانہ زندگی اور دولت کی فروانی اسے تم قید کہتی ہو"،

"نہیں میں تمہاری بند مٹھی کی بات کررہی ہوں، اسے کھول دو"،

"سنو نور..................."،

آذر نے اس کی ٹھوڑی کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اونچا کیا اور اپنے ہونٹوں سے نکلنے والی سرسراتی ہوا سے اس کی پلکوں کو چھوا۔

"ایسا کبھی پہلے اس خاندان میں نہیں ہوا لیکن چونکہ تم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہستی ہو تو جاؤ، تمہارے پَروں پر طلاق کی مہر لگا کر تمہیں چھوڑ دوں گا، اپنی قابلیت جا کر دفتروں میں منواؤ، آخر تم نے مقابلے کے امتحان میں پہلی پوزیشن لی تھی_"

اس ستم گر کی وجاہت میں غرور اور لاتعلقی اسے دیوتا کے مقام تک لے گئی تھی_

اس سے آگے نور کے پَر کٹے ہوئے تھے اس نے اس کے بچوں کو چھین لینا تھا۔ اس نے کب طلاق چاہی

تھی_ آذر کی بند مٹھی میں اس کی آزادی کے ساتھ ممتا کا دانہ بھی پڑا اور ممتا کے قحط میں اشکوں کے دریا تھے اور سانسوں کی ٹوٹی کشتیاں تھیں_

اس کا جب جی چاہتا اسے علیحدہ اپنے کمرے میں بلا لیتا اور جب الارم دل دہلاتا وہ اپنا آپ سمیٹ کر بچوں کے پاس آ کر لیٹ جاتی_

آذر سے محبت میں پہل اور اس کے ساتھ نبھاہ کی ضد نے اسے تنہا کر دیا تھا_ آذر کی دولت اور وجاہت نور جیسی قبول صورت لڑکی کی ذہانت پر بھاری تھی_ محبوب کا پلڑا والدین کے جوڑے ہوئے ہاتھوں سے بہت اوپر تھا_

اب ماں بن کر اس کے اندر کے درد نے اسے تڑپایا تھا_

"ماں........................"،

اسی نام کی تسبیح پر اب آنسو کا ہر قطرہ اس کے بدن پر ٹپکتا تھا_

پچھتاوا اس کے حال کو اٹھا کر پیچھے پٹخ رہا تھا اور اس کا وجود موجودہ وقت کی سوئیوں میں گھٹ رہا تھا_

اس کے دونوں بیٹے اب اس کے قد کے برابر آ گئے تھے_ آذر کی جان اور مان تھے وہ دونوں_ آذر کی وجاہت اور نور کی تربیت ان کے روپ و کردار میں ڈھل کر گھر کو منور کیے تھی_

دیواروں پر اب ان کے دونوں بیٹوں کی بھی قد آور تصاویر تھیں_ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بلکل سامنے اس کے ساس سسر کی سنہرے فریم والی تصویر تھی_ آذر اور اس کی شادی کی تصویر ہال کمرے کی شمالی دیوار پر لگی تھی اور یہ واحد تصویر تھی جس میں وہ ایک ساتھ تھے_ اسے کبھی ہنسی آتی اس ایک ساتھ کے عکس پر جس میں دلہن بنی وہ آذر کے سینے سے لگی کھڑی تھی_ بھاری زیورات اور سرخ عروسی جوڑا نہ جانے کہاں رکھا تھا_ کنگن ابھی تک اس کے ہاتھوں کو اور اس پہلی رات کا متکبرانہ آذر کا لمس اسے اپنے دیوتا کی داسی بنا کر سرنگوں کیے تھا_

دوراتوں سے آذر کھانے کی میز پر نہیں آیا_ اس کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی مگر بچے مضطرب تھے باپ سے نئی فرمائش کرنے کو، مگر وہ جانتے تھے کہ انہیں باپ کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں،

"ماما پاپا کو کال کریں"،

بڑے بیٹے سے پہلے ہی چھوٹے بیٹے نے کال کر کے پتہ کرلیا کہ وہ ملک سے باہر ہیں،

"اوہ یار ہمیشہ کی طرح پاپا کبھی کچھ نہیں بتاتے، ماما آپ بھی نہیں پوچھتیں ان سے کچھ"،

ملازم میز پر کھانا لگا رہے تھے اور بڑے بیٹے کی بات پر وہ چپ رہی_

اس نے اب سوچنا چھوڑ دیا تھا اور خود کو اس طرح الجھالیا تھا کہ کتنے ڈھیر سارے سوال ڈائری میں لکھ کر آگے سوالیہ نشان لگا کر مطمئن ہو جاتی_

اگلے دن صبح کے اخبارات میں ایک خوبصورت ماڈل گرل نے سوال اٹھایا تھا،

"آخر یہ دولت کے نشے میں بہکے ہوئے رئیس اپنے بستر کی چادر کی طرح کب تک ہمیں استعمال کر کے بدلتے رہیں گے، جو مرد اور عورت ایک ساتھ رہیں انہیں میاں بیوی کا درجہ دیا جائے کیونکہ نکاح میں لائی ہوئی عورت کو تو یہ پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں_"

نور نے اخبار ناشتے کی میز پر اسی طرح چھوڑ دیا، جانتی تھی بچے نیٹ پر بھی یہ خبر دیکھ سکتے ہیں_

اسے اپنے والدین کو ڈھونڈ نا تھا جنہیں یہ شہر چھوڑے برسوں بیت گئے تھے_ وہ کیوں بھلا بیٹھی تھی کہ جہاں خدا نے اپنے شرک سے منع فرمایا، وہیں ساتھ ہی والدین کی اطاعت کا حکم لگایا ہے_

بچے اپنے باپ کے بارے میں اخبارات کی خبروں سے پریشان اور سراپا احتجاج تھے اور وہ انہیں اپنی گود میں چھپا کر ایسے بہلا رہی تھی جیسے وہ انہیں بچپن سے مطمئن کرتی آ رہی تھی_

اس نے کبھی حساب ہی نہیں رکھا تھا کہ کون سی ماڈل گرل کب تک اس گھر کی دیواروں کی تصویروں کے پیچھے چھپکلی بن کر چھپی رہی_

لمحہ بھر میں نور نے فیصلہ کر لیا۔ جب بچے اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک جائیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی اور شادی کی تصویر میں سدا اسی طرح آذر کے ساتھ رہے گی کہ دل مجبور ہے اور ممتاز نجیر ہے۔

یہ ہے محبت کوئی چاہ کر اپنی ہستی کو خاک بنا کر اڑاتا ہے اور کوئی چاہے جانے کی تمنا میں خدا بن جاتا ہے۔

"آذر دیوتا نہیں

نور داسی نہیں"

آج اس نے ڈائری میں سوال نہیں جواب لکھے تھے۔

☆☆☆

افسانہ ☆غیرت☆

تحریر: شہباز اکبر الفت

آج طویل عرصہ کے بعد، جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے میرے اور اس کے راستے الگ ہوئے کئی زمانے بیت گئے ہوں، وقت کی دھول اور گرد راہ نے سب کچھ دھندلا دیا ہے ماسوائے اس موہنی صورت اور بڑی بڑی آنکھوں کے، جن میں کبھی زندگی رقص کیا کرتی تھی۔ وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس نے میرے جیسے عام سے لڑکے کو اپنی محبت سے خاص بنا دیا، اس نے مجھے حقیقی معنوں میں ٹوٹ کر چاہا تھا اور جب ذات پات، رسم و رواج اور ظالم سماج ہماری محبت کی راہ حائل ہوئے تو اس نے بغاوت کا راستہ اپنانے سے بھی دریغ نہ کیا، اس نے اپنی کشتیاں جلا ڈالی تھیں اور واپسی کے سارے رستے بند کر کے بھاگ کر میرے پاس آ گئی تھی لیکن کورٹ میرج کے لئے نکلتے وقت ہی ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا جو نہ صرف ہماری دائمی جدائی کا باعث بنا بلکہ اس کی نظروں میں، ہمیشہ کے لئے میں ایک ایسا کم ہمت، بزدل اور بے وفا انسان بھی ٹھہرا جو زمانے کے سرد و گرم میں اس کا ساتھ نہیں دے پایا، وہ اپنی جگہ سچی لیکن مجھے بھی اپنے اس فیصلے پر کوئی پشیمانی نہیں کیونکہ اچانک ہی محبت سے زیادہ غیرت میرے لئے اہم ہو گئی تھی۔

محبت کی یہ کہانی اس دفتر سے شروع ہوئی تھی جہاں ہم اکٹھے کام کرتے تھے، ہمارے درمیان بہت کچھ مشترک تھا، ہم عمر، ہم پلہ اور گفتگو کیلئے ایک جیسے موضوعات، ہم گھنٹوں بلا تکان بولتے، اس بے نام سے تعلق کو پہلے دوستی کا نام ملا اور پھر پتہ ہی نہ چلا کہ کب یہ دوستی محبت میں تبدیل ہو گئی، ایک دوسرے کی رفاقت میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوتا تھا، دن تو دفتر میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے گزر جاتا اور رات فون پر باتیں کرتے، جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتے ہوئے، محبت خالص

تھی، جذبہ سچا اور نیت صاف، دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو بھی بتا دیا، رشتے کی بات چلی لیکن بات وہاں آ کر رک گئی جہاں پر غیرت شروع ہو جاتی ہے، یہ غیرت بھی عجیب شے ہے، لڑکا کسی لڑکی کو سبز باغ دکھائے، محبت کے جال میں پھنسائے تو وہ اس کی مردانگی کہلاتی ہے لیکن کسی لڑکی کی طرف سے اپنی پسند کا اظہار اور شادی کی خواہش پورے خاندان کیلیئے غیرت کا مسئلہ بن جاتی ہے، اس معاملہ میں بھی یہی ہوا، غیرت نے پوری شدت کیساتھ سر اٹھایا، رشتے سے انکار کے ساتھ ساتھ پابندیاں بھی لگ گئیں، میں اور میرے گھر والوں نے سارے جتن کر کے دیکھ لئے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، الٹا دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں کہ اگر میں نے اس سے ملنا جلنا نہیں چھوڑا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا، پانی سر سے گزر رہا تھا، جدائی صاف نظر آ رہی تھی اور ان حالات میں ہمارے پاس بغاوت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ہمارے پاس ایک ہی حل تھا کہ ہم اپنا قانونی اور شرعی حق استعمال کرتے ہوئے کورٹ میرج کر لیں، جس دن وہ گھر سے بھاگ کر میرے پاس آئی، اس کے گھر والوں نے اس کا کسی کزن کے ساتھ زبردستی نکاح پڑھوانے کی پڑھوانے کی کوشش کی تھی، میں نے اسے تسلی دی، فوراً اپنے وکیل کو فون کیا اور ساری صورتحال بتا کر کورٹ میرج کا انتظام کرنے کی ہدایت کی اسی دوران اس کی ماں بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گئی، اس کی ماں نے ہمارے رشتے کیلیئے بہت کوشش کی تھی مگر ان کا بس نہیں چلا، اس وقت مجھے وہ بہت مایوس اور تھکی تھکی سی نظر آئیں، میں نے انہیں اندر بلایا، کرسی دی اور پانی پلایا، اسی دوران انہوں نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا کہ وہ مجھ سے اکیلے میں کوئی کرنا چاہتی ہیں، میری محبوبہ نے استفہامی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری طرف سے اشارہ پا کر باہر چلی گئی۔

شہباز اکبر الفت "بیٹا! تم جانتے ہو نا کہ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنے بیٹوں کی طرح سمجھا ہے" وہ گویا ہوئیں

"جی" میں نے اثبات سر ہلایا

اور یہ بھی کہ میں نے تم دونوں کی شادی کے لئے پوری کوشش کی تھی؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری

طرف دیکھا،

"جی" میں نے ایک بار پھر تائید میں سر ہلایا

"لیکن بیٹا، اب پورے خاندان میں کوئی اس رشتے کیلئے راضی نہیں تو بتاؤ میں کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟" بے بسی ان کے لہجے سے نمایاں تھی

"آنٹی..................." میں کچھ کہتے کہتے رک گیا، وہ اپنی ہی دھن میں بولے جارہی تھیں

"بیٹا، میری چھ بیٹیاں ہیں اور یہ سب سے بڑی، میں نے اپنی بیٹیوں کو بھی بیٹوں کی طرح پالا، غربت کے باوجود کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی، کپڑے، جوتے، تعلیم ہر خواہش پوری کی لیکن آج اس کا باپ اس کی وجہ سے میری تربیت اور کردار پر انگلیاں اٹھارہا ہے، آج خاندان والے باتیں کررہے ہیں کہ بڑی بیٹی خراب نکلی ہے تو چھوٹی کون سا اچھی ہوں گی؟ ان کے رشتے کہاں سے آئیں گے؟" وہ روہانسی ہوگئیں

"ہم تو عزت کے ساتھ ہی رشتہ لے کر آئے تھے آنٹی لیکن آپ لوگوں نے ہی انکار کیا، بلاوجہ عزت اور غیرت کا مسئلہ بنالیا، مجھ میں کوئی خامی دیکھی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی" میرے دل کی بات ہونٹوں پر آہی گئی

"بیٹا، تم میں کوئی خامی نہیں، تم سچے، تمہاری محبت سچی اور جو تم کرنے جارہے وہ تمہارا حق بھی ہے لیکن آج اگر میری بیٹی نے گھر سے بھاگ کر شادی کرلی تو جانتے ہو، اس کا انجام کیا ہوگا؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا

"انجام سے کون ڈرتا ہے آنٹی اور میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ اپنی اور اپنی بیوی کی حفاظت نہ کرسکوں" میرے لہجے میں نہ چاہنے کے قدرے باوجود سختی در آئی

"تمہاری بات نہیں کررہی بیٹا، اپنی بات کررہی ہوں، اس کی یہ بغاوت میرے لئے زندگی بھر کا روگ بن

جائے گی، میری تربیت پر سوالیہ نشان اور میرے کردار پر کنک کا ٹیکہ بن جائے گی، اس کا باپ ساری زندگی میرے منہ پر تھوکے گا کہ میں بری عورت تھی جو اپنی بیٹی کی اچھی پرورش نہ کر سکی اور میرے کردار کی خامی میری بیٹی میں نکل آئی" اب وہ با قاعدہ رونے لگی تھیں

ماحول یکدم ہی افسردہ ہو گیا، ان کے آنسو دیکھ کر میرا دل بھی پسیجا، سچ تو یہ ہے کہ غلطی میری بھی نہیں تھی، مجھے یہ رستہ انہی لوگوں نے دکھایا تھا، انہی کی ہٹ دھرمی نے یہ انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور کیا تھا ورنہ میں تو خود اپنی محبت کو بھگا کر لانے کی بجائے پورے اہتمام کے ساتھ بیاہ کر لانے کا خواہش مند تھا، اس سے پہلے میں کچھ کہتا، اچانک ہی انہوں نے غیر متوقع طور جھک کر میرے پاؤں پکڑ لئے اور رندھے ہوئے لہجے میں وہ آخری جملہ کہا جس کے بعد ساری بات ہی ختم ہو گئی تھی

" کیا تمہاری محبت ایک ماں کی مجبوری سے بھی زیادہ ضروری ہے؟"

تڑپ کر پاؤں پیچھے ہٹاتے ہوئے میں نے اس مجبور ماں کی نم آنکھوں اور جھریوں بھرے چہرے کو غور سے دیکھا، مجھے اچانک ہی اس میں اپنی ماں کا عکس نظر آیا تھا اور اسی لمحہ میرے دل میں یہ بھی آیا کہ میرا بھی تو ایک گھر، ایک خاندان ہے جو اسی سماج کا حصہ ہے، میرا باپ بھی تو سخت گیر، ماں ہر وقت اس سے دبی دبی رہتی ہے اور ہاں میرے گھر میں بھی تو ایک لڑکی موجود ہے، میری بہن کی صورت میں، اگر مجھے محبت کا حق ہے تو میری بہن کو کیوں نہیں؟ اگر میں یا میری محبوبہ بغاوت کر سکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں؟ اور کیا میں یہ برداشت کر سکوں گا کہ میری ماں کو بھی اس طرح کسی کے پاؤں پکڑنے پڑیں؟

فیصلہ فوری طور پر ماں کے حق میں ہوا کیونکہ اس کے بعد مزید کچھ سوچنا میری غیرت کو گوارہ ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

ناول ☆تیرے بن جی نہ سکے☆

خلاصہ۔

ایشاء جو گھر کے حالات سے تنگ تھی ایک شہری لڑکے کے ساتھ بھاگنے کا پلان کرتی ہے ،لیکن وہ اس کو دَغا دے جاتا ہے۔اس کی پھوپھو زبیدہ اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی تھیں اور اس میں کسی کو حائل ہونے کی اِجازت نہ تھی ۔اس کا ٹکراؤ دائم سے ہوتا ہے جو اس کو گھر لے آتا ہے۔ایاز خان مکروہ شخصیت کے مالک ہیں ان کے دو بیٹے صائم اور دائم ہیں ۔بیوی وفات پا چکی ہے۔ان کی ملاقات فارینہ سے ہوتی ہے جو منسٹر کی بیٹی ہے۔ان کا ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ایک بڑا نام ہے۔صائم ایشاء کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔دائم ایشاء کو اس کے گھر والوں سے ملانے کا کہتا ہے جس پر وہ ڈر جاتی ہے لیکن دائم اس کو سمجھا کر راضی کر لیتا ہے۔

اس خوبصورت وادی میں پلوشہ اپنے اماں ،ابا ،بھائی گل جان کے ساتھ رہتی ہے۔ان دِنوں اپنے کزن شہریار کو وادی دِکھانے میں مصروف ہے جو ہفتہ بھر قیام کے لئے آیا ہوا ہے۔وہ اس کی ملاقات اپنے خالا خالو سے کراتی ہے جو شہریار سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں ۔پلوشہ شہریار کو بتاتی ہے کہ میری ایک کلاس فیلو ہاتھ دیکھا کرتی تھی اور کہتی تھی میں جو کہوں 90% درست ہوتا ہے۔میں اپنا ہاتھ اس کو نہیں دکھانا چاہتی تھی لیکن باقی کلاس فیلوز کے اصرار پر دکھا دیا ،اس نے مجھے بتایا کہ کوئی تم کو دل سے چاہے گا ،لیکن تم کو خبر نہیں ہوگی اور جس کے پیچھے تم بھاگو گی وہ تم کو توجہ نہیں دے گا۔مزید کہ تم دل برداشتہ ہو کے خودکشی کی کوشش کرو گی اور میں نے اس کو پتہ ہے کیا کہا ،میں نے کہا ہاں وہ جو ہنزہ کا سب سے پُرانا ،ہزاروں سال پُرانا قلعہ (Altit fort) ہے ناں میں اس پر سے کود کر جان دے دوں گی ۔اور شہریار کو اپنا بزنس شروع کرنے کا کہتی ہے جس کے بارے میں وہ سنجیدگی سے سوچتا ہے۔اور

پلوشہ شہریار کے کہنے پر اس کی پورٹریٹ بناتی ہے۔

راعنہ کو ڈبے میں بند چاکلیٹ اور سُرخ گلاب کسی انجان کی طرف سے ملتے ہیں۔سہیلیوں کو بتانے پر وہ اس کا مذاق اُڑاتی ہیں۔بعد میں یونیورسٹی میں بھی اس کی طرف ایک رُقعہ پھینکا جاتا ہے جو موبائل نمبر ہوتا ہے لیکن اس کا آخری لفظ حذف ہوتا ہے۔کومل سے یونیورسٹی میں ایک لڑکا بدتمیزی کرتا ہے وہ بدلے کے طور پر اس پر پانی پھینک دیتی ہے۔لڑکا کھُل کر میدان میں آنے کو کہتا ہے۔سا شے کومل کا مذاق اُڑاتی ہے۔ان کی یونیورسٹی سر گیلانی جانے والے ہیں اور ان کی جگہ ان کا بیٹا عازب بیرونِ ملک سے آنے والا ہے۔

کائنات اپنی خالا اور اماں کے ساتھ ایک پُرانے محلے میں رہتی ہے، جو اس کو بالکل پسند نہیں۔ خالا کا ذہنی توازن درست نہیں۔کائنات کالج میں پڑھتی ہے۔محلے میں ایک بابا اس کو اپنے قدم سیدھے رکھنے کا کہتے ہیں مگر وہ خاطر میں نہیں لاتی۔اس کی ملاقات کالج سے واپس آتے ہوئے ایاز خان سے ہوتی ہے ان کے لائف اسٹائل سے کائنات بہت متاثر ہوتی ہے۔نزہت کی شادی ہونے جارہی تھی کہ عین شادی کے دن لڑکے نے انکار کر دیا جس کا نزہت کو سخت صدمہ ہوا۔

جوزی اور جوزف کٹر قسم کے عیسائی تھے،اپنے مذہبی فرائض میں کوئی غفلت برتنا ان کا شیوہ نہ تھا ان کے ماں باپ نے ان کو بہترین عیسائی بنا کر اپنے حصہ کا کام کر دیا تھا۔دونوں بچپن کے دوست تھے۔اور اپنے مذہب کے خلاف سننا ان کے لئے نا قابلِ برداشت تھا،جوزی کے فادر ان لوگوں کو ان کے بچپن میں ہی داغِ معارفت دے گئے تھے،جبکہ مادر حیات تھیں۔جوزی سے پانچ سال چھوٹا ایک بھائی مائیکل تھا جو جسم میں کسی قسم کے disorder کی وجہ سے حتی الامکان معذور تھا وہ اپنے سارے غم جوزف سے شیئر کرتی تھی،جوزف اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا،اور والدین حیات تھے، بینک میں ایک اچھی پوسٹ پر تھا۔جوزی نے intermediate کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں جاب شروع کر دی

تھی ۔ جوزفین کی ماں اکیلی تھی مائیکل سال بھر کا تھا ، جب اس کا باپ وفات پا گیا تھا اس وقت جوزی کی ماں کو صرف جوزف کی ماں کرسٹینا نے ہی سہارا دیا تھا ۔ جوزی نیناں کے بُرا بھلا کہنے جاب چھوڑ دیتی ہے جس کی وجہ سے سکندر بہت پریشان ہے جوزی کا آفس چھوڑ دینے کی وجہ کا سکندر کو علم نہیں ہوتا نیناں جہانگیر (ہما جہانگیر علی) سکندر عرف رحیم بخش کی کزن ہے ۔ سکندر کو اس کی بڑی بہن زبیدہ نے پالا ہے جو اس کا بہت خیال رکھتی ہیں ۔ وہ سکندر کی شادی چاہ رہی تھیں کیوں کہ ان کو پتہ تھا کہ ان کی شادی کے بعد سکندر کا کوئی خیال رکھنے والا ہو ۔ زبیدہ کے گھر سے چار گھر چھوڑ چچا چچی کا گھر تھا ۔ نیناں چچا جہانگیر کی اکلوتی بیٹی تھی چچا اور چچی دونوں حیات تھے ۔ چچا نرم مزاج جبکہ چچی کا مزاج مرچ تھا ۔

☆............☆
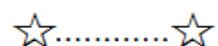
چوتھی قسط:

گیٹ پر بیل بجی، جوزی مائیکل کو دلیہ کھلا رہی تھی۔ باہر جھانکا اور پھر مائیکل کو اِشارہ کیا۔ دلیہ کا پیالا میز پر رکھ کر وہ گیٹ کی طرف گئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ آپ سکندر صاحب آیئے اندر آیئے۔'' وہ سکندر کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ گیٹ وا کیا اور سکندر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو گیا، اِجازت لینے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

''کیسی ہیں آپ۔؟''

''میں ٹھیک ہوں آپ سنایئے، آیئے آیئے اندر چلتے ہیں۔'' سکندر اس کی پیروی میں اندر کی طرف بڑھا۔ وہ اسے سِٹنگ روم کی طرف لے جانے لگی۔

''اور آپ کی امی کیسی ہیں۔؟'' سکندر نے اندر جاتے جاتے پوچھا۔

''ہاں جی وہ بھی ٹھیک ہیں،۔''

''رُکیں یہ آپ کے بھائی ہیں، سِٹنگ روم میں جانے سے پہلے مائیکل کے کمرے کے باہر سے گزر کر جانا ہوتا تھا سکندر کی نظر پڑ گئی۔

''جی یہ میرا بھائی ہے مائیکل۔''

''چلیے پھر میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں اس کے پاس۔''

''ارے نہیں۔ سوری لیکن آپ یہاں نہ بیٹھیں۔ آپ سِٹنگ روم میں آیئے۔'' مائیکل کا پتہ نہیں تھا کہ کب کچھ اُگل دیتا جس سے سکندر کا دل خراب ہوتا اور شرمندگی دیکھنا پڑتی تو اس سے یہی بہتر تھا کہ سکندر کو دوسرے کمرے میں بٹھایا جائے۔ وہ سکندر کے سامنے یہ سب نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

''نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے میں یہیں بیٹھتا ہوں اس سے میری بات بھی ہو جائے گی اور اس طرح بہانے سے اس کی خیریت بھی معلوم کرلوں گا۔'' اس نے کمرے میں قدم بڑھائے۔ جوزی بے بس ہوئی۔ اور شرمندہ بھی۔ مائیکل کو دیکھنے میں بڑے بڑے محتاط رہتے تھے کیوں کہ اس کی مخدوش حالت ان کو دوبارہ اِدھر کا رُخ کرنے سے روکتی تھی۔ صرف جوزف ہی تھا جو دل کڑا کر کے وہاں آ جاتا تھا۔ اور اس کی کیا حالت ہوا کرتی تھی مائیکل کو دیکھ کر وہ بخوبی جانتی تھی اور اب سکندر بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہونے کو تھا۔

'' کیسے ہیں مائیکل۔؟ اس نے ہاتھ مائیکل کی طرف بڑھایا لیکن وہ بے بس تھا ہاتھ ملانے سے۔ صرف اس کا بایاں ہاتھ کچھ کچھ کام کرتا تھا۔ دایاں کبھی کبھار ہی حرکت میں آتا تھا زیادہ تو وہ ست ہی پڑا رہتا۔'' اوہ سوری کوئی بات نہیں، میں سمجھتا ہوں آپ نے میرے سے ہاتھ ملا لیا۔ پریشان نہ ہوں ٹھیک ہو جائیں گے۔ مصیبتیں کسی بندے پر آزمائش ہوتی ہیں اگر بندہ کامیابی سے ان پر صبر کر کے ان سے گزر جائے تو اس پر رب کی طرف سے بے پناہ نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔'' مائیکل سکندر کو بغور دیکھ رہا تھا نفرت کرنے والوں میں سے ایک اور نفس کا اضافہ ہونے والا تھا اور یہ بات مائیکل کو اور بھی افسردہ کر دیتی تھی۔

''آپ کسی اور کمرے میں بیٹھتے۔۔'' جوزی نے ایک آخری کوشش کی۔

'' ارے بھئی نہیں، میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں۔ آپ تو یقیناً چائے بنانے جا رہی ہیں تو میں اکیلا پھر بور ہی ہوں گا ناں تو اس سے بہتر ہے کہ میں کائیکل سے بات کرلوں، کیوں مائیکل صحیح ہے ناں۔ اور یہ فروٹس میں مائیکل کے لئے لایا ہوں۔ کیوں مائیکل کھاؤ گے ناں؛' جوزی بے بس ہو کر کچن کی طرف آ گئی۔

اسے باتوں کی برابر آواز کمرے سے آ رہی تھی چائے بنانے کے دوران اسے پتہ چلا کہ سکندر

بہترین باتونی ہے دفتر میں اس سے کم ہی بات ہوتی تھی دراصل سکندر اور وہ دونوں الگ ڈیپارٹمنٹ میں ہوتے تھے اس لئے ملاقات بھی کم ہی ہوتی تھی تو اس لئے جوزی سکندر کو اتنا خاص نہیں جانتی تھی ۔چائے کے ساتھ اسنیکس ٹرالی میں لادے وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سکندر اور مائیکل ایک دوسرے میں مشغول تھے اور سکندر مسلسل مائیکل کے کان کھانے میں مصروفِ عمل تھا۔سکندر اب اس کو اپنے بارے میں بتا رہا تھا کہ جہاں جوزی کام کرتی تھی وہ وہاں ہی کام کرتا ہے وہاں سے آیا ہے،

''اچھا، جوزی یہ لیں آپ کی سیلری ۔باس نے آج آپ کو دینے کا سوچا تھا لیکن آپ نہیں آئیں ،کوئی اور نہ تھا جو آپ کی پے لاتا تو باس نے میرے ہاتھ بجھوادی ۔''

''شکریہ ویسے مجھے ابھی ضرورت نہیں تھے اگلے ہفتے مائیکل کا چیک اَپ ہوگا تو اس لئے ضرورت پڑیں گے۔ میں خود ہی لے آتی ۔ چلیے آپ لے آئے تو اچھی بات ہے بہت شکریہ آپ کا۔'' جوزی نے سکندر کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اس کی توجہ چائے کی طرف مبذول کرائی ۔''اور یہ لیں ناں آپ چائے ۔''اس نے کپ میں گرم پانی اور ٹی بیگ ڈال کر سکندر کو پکڑا یا۔ٹیبل سکندر کے سامنے تھا اور پلیٹس میں اسنیکس دھرے تھے۔سکندر نے بھی شکریہ ادا کرتے ہوئے پیالی ہاتھ میں لی اور چینی کپ میں ڈالی ۔

مائیکل بھی نوٹ کرر ہا تھا کہ اس آدمی کے آنے سے آپی خوش نظر آرہی ہے،اس بات کا اندازہ باتوں اور اس کے بتانے سے ہو ہی گیا تھا کہ وہ اس جگہ کام کرتا تھا جہاں اس کی آپی پہلے کام کرتی تھیں ۔ وہ بول نہیں سکتا تھا محسوس تو کر سکتا تھا۔ دیکھ تو سکتا تھا۔ باتوں باتوں میں سکندر نے جوزی سے پوچھا۔

''مائیکل کی یہ حالت کتنے عرصہ سے ہے۔''

''بچپن سے۔۔تقریباً دو سال کا تھا جب۔اس کے بعد اس کی طبیعت خراب ہی ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹرز نے بہت علاج کئے میڈیسنز دیں لیکن سب بے سود۔اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ نہ خود اُٹھ سکتا

ہے اور نہ ہی کوئی چیز خود تھام کر کھا پی سکتا ہے۔ ہاں چیک اپ پھر بھی کراتے ہیں تا کہ مزید حالت خراب نہ ہو۔ کم از کم یہی بہت ہے کہ یہ کھانا وغیرہ کھا لیتا ہے، اس سے اس کی حالت خراب نہیں ہوتی مطلب کھانا کھانے کی وجہ سے بیمار نہیں پڑتا۔ باقی یسوع کی مرضی جیسے وہ چاہے گا' ہوگا۔ بس ہم نے اس کو سنبھالنا ہے اس کا خیال رکھنا ہے اب اس کا میرے اور امّی کے علاوہ ہے ہی کون۔''

''چلیں میری دُعا ہے کہ آپ سلامت رہیں اور اس طرح ہی تو آپ بھی مائیکل کا خیال رکھ پائیں گی۔'' سکندر نے جوزی سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اچانک مائیکل کی ایک ذور دار اُلٹی بستر سمیت سامنے پڑے ٹیبل پر چیزوں کو داغ دار کر گئی ٹیبل پر پڑی چیزوں پر اُلٹی کی چھینٹیں پڑی تھیں۔ جبکہ کچھ سکندر کے شوز پر۔ یکدم ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جوزی شرمندہ ہو کر رہ گئی گردن مزید جھک گئی۔ مگر خود کو سنبھالا اور جلدی سے اٹھی۔

''اوہ سوری۔ دراصل صبح اس کو واک نہیں کرائی تو اس کا کھانا ہضم نہیں ہوا۔ اسی لئے''

''آپ مجھے سوری کرنے کی بجائے مائیکل کا دھیان کریں،'' سکندر نے چائے کی پیالی سامنے ٹیبل پر رکھی۔ سکندر کے چہرے سے پریشانی واضح عیاں تھی۔ اور مائیکل کی طرف بڑھا۔

''وہ دراصل یہ لیٹا رہتا ہے ناں تو خوراک ہضم نہیں ہوتی چہل قدمی کرے تو ٹھیک ہو جاتا ہے ابھی لنچ کیا تو چہل قدمی نہیں کرائی ناں تو اسی لئے۔۔'' جوزی نے جلدی سے کپڑا اُٹھایا اور جلدی سے ٹیبل صاف کیا اور مائیکل کا منہ صاف کیا اور ساتھ ہی ٹیبل بھی صاف کیا۔

''اور میں یہ اور اسنیکس لاتی ہوں۔'' شرمندگی سی شرمندگی۔۔

''ارے بھئی۔ آپ کیا تکلیف کرتی ہیں۔ ٹھیک ہوں میں بس جاتا ہوں۔ لیکن آپ اس کا خیال کیجئے گا۔ کافی بیمار لگتے ہیں۔''

''جی ٹھیک ہے آپ ابھی بیٹھیں ناں۔''

''ہاں ہاں ابھی میں اِدھر ہی ہوں آپ روم صاف کرلیں میں مائیکل کو دیکھتا ہوں۔

جوزی کیا کہتی۔ چپ چاپ صاف کپڑے سے میز ایک دفعہ پھر رگڑا اور پھر فرش صاف کیا۔ٹیبل صاف کر کے کنارے لگایا بستر صاف کیا وہ خراب ہو گیا تھا وہ صاف کر کے برتن اُٹھائے اور کچن میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ کتنی ہی ہمت کرتی کتنا ہی اپنے آپ کو مضبوط دِکھاتی' چاہے کسی حد تک احتیاط کرتی پھر بھی آنسو آنکھوں سے چھلک ہی جاتے اُمید دم توڑ ہی جاتی۔

کیا تھا اگر خداوند مائیکل کو بھی صحت دے دیتا' ہمارے رحم وکرم پر اور ہمارے پرسوں پر پڑا رہتا ہے۔خدا جانتا ہے مجھے میرا بھائی خود مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے لیکن اس کی یہ بے بسی اور خراب حالت دیکھ کر اس کا دل کبھی نہ کبھی بھر ہی جاتا تھا۔وہ رو رہی تھی' ہچکی بندھ گئی تھی۔نظر برتنوں کی طرف گئی تو داماغ نے کام کرنا شروع کیا،وہ ایک اجنبی کے سامنے اپنے آپ کو بے بس کیوں دِکھائے اس کا کیا فائدہ لوگ ہمدردی جتاتے ہیں اور پھر چل پڑتے ہیں میں نے خود کو سنبھالنا ہے۔

کافی دیر گزر گئی تھی وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔سکندر مائیکل سے باتیں کر رہا تھا۔

''مائیکل بہت اچھا ہے اس سے دور جانے کا دل ہی نہیں کرتا۔ ہیں ناں مائیکل۔۔'' مائیکل مسکرا رہا تھا اور گردن ہلا رہا تھا مائیکل نے آج گھر کے افراد کے علاوہ پہلے شخص سے صرف تسلی ہی نہیں محبت بھی دیکھی تھی مائیکل بور نہیں ہوا تھا وہ باتیں کیے جا رہا تھا اور مائیکل سنے جا رہا تھا اور اپنے چہرے کے تاثرات سے اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔جوزی پریشان تھی لیکن مائیکل کا کِھلا کِھلا چہرہ دیکھ کر اور سکندر کی باتوں کو سن کر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی اس نے غلط سوچا تھا۔سکندر بہترین مقّرر تھا اور مائیکل کے چہرے سے عیاں ہوتی خوشی سے جوزی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سکندر کی صحبت نے مائیکل پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔

جوزی بھی آ کر کونے میں پڑی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں چائے کے لئے آپ کا بہت شکریہ اور ہاں میں آئیندہ بھی

مائیکل سے ملنے آیا کروں گا۔ٹھیک ہے ناں مائیکل۔اللہ حافظ۔۔۔'' جوزی نے روکا نہیں زُبان گنگ تھی صرف مسکرائی۔وہ مائیکل سے سلام کرتا گیٹ کی طرف بڑھا،جوزی بدستور کھڑی تھی۔

''کیا آپ کے ہاں مہمان کو گیٹ تک چھوڑنے کا رواج نہیں۔''

''نہیں نہیں میں چلتی ہوں'' جوں ہی وہ کمرے سے گیٹ کی طرف بڑھے'جوزف اندر داخل ہوا۔ اس نے سکندر اور جوزی کو ایک ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا۔اور ناسمجھی سے جوزی کی طرف دیکھا۔

''آؤ،جوزف،یہ میرے آفس کے کولیگ تھے۔جہاں میں کام کیا کرتی تھی سکندر۔۔اور سکندر یہ میرے کزن ہیں جوزف۔۔'مجھے تنخواہ دینے آئے تھے رہ گئی تھی۔اور ساتھ مائیکل کا پتہ کرنے بھی۔''

''مل کر خوشی ہوئی۔۔اب آپ یہاں کیسے آئے میں تو سمجھا تھا کہ آپ لوگوں کو دوسرے کو تکلیف دینا ہی آتی ہے۔'' سکندر نے جوزف کی بات سنی اور پھر جوزی کی طرف دیکھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ جوزف کیا کہہ رہا تھا۔

''جی کیا مطلب کس بارے میں۔۔؟''

''جوزف تم اندر چلو میں ان کو گیٹ تک چھوڑ کر اندر ہی آرہی ہوں۔۔''

''ایک منٹ یہ کیا بات کررہے تھے۔۔کیا تکلیف۔؟''

''جوزف نہیں یہ کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔۔'' جوزی ڈر رہی تھی جس بات سے شاید وہی بات ہونے جارہی تھی۔اور جوزف نے کھڑے کھڑے سکندر کو سب کچھ بتادیا جو کچھ نیناں جوزی کو کہا تھا سکندر کو سب بتادیا اس کو خبر نہ تھی کہ سامنے اسی نیناں کا کزن کھڑا ہے۔اس نے سکندر کو نیناں کی سب حرکتیں بتا دیں۔سکندر ششدر رہ گیا۔

''اتنا ظلم اتنی نفرت۔۔اتنی بے عزتی۔۔'' سکندر کے دل میں بونچال اُٹھ رہے تھے اور کو لگا بے عزتی جوزی کی نہیں اس کی' کی گئی ہے۔دل کی دھڑکن،سانس تیز ہو گئے تھے اور پھر اس سے کھڑا نہ ہوا

گیا وہ فوراً گیٹ بند کر کے باہر نکل گیا۔۔

''جوزف۔ یہ تم نے کیا کیا، تم کو اس کو یہ سب نہیں بتانا چاہئے تھا میں نے تم کو اس لئے تو نہیں بتایا تھا۔'' جوزی پریشان ہو گئی اب یقیناً نیناں کی سخت شامت آنے والی تھی۔

''ارے بھئی تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ ان لوگوں کو پتہ تو چلے کہ ان کی اصلیت کیا ہے۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔۔'' جوزف نے اپنی اتنے دِنوں کی بھڑاس نکال لی تھی۔

''وہ کوئی اور نہیں اس لڑکی کا کزن تھا اور اب اس کی کزن سمجھے گی میں نے سکندر کو بھڑکایا ہے اس کے حوالے سے۔۔ جوزف تم نے غلط کیا۔۔''

''اچھا اس کا کزن تھا یہ، مجھے تو نہیں پتہ تھا ناں، میں تو سمجھا کہ دفتر میں اس کے ساتھ کام کرتی ہے تو اس کو پتہ چلے کہ جوزی وہاں ان کی وجہ سے کتنی مشکل میں تھی۔ اور بہر حال اگر یہ اس کا کزن بھی تھا تو تم کو کیا فکر کرنے کی ضرورت۔ تم اب وہاں کام تو نہیں کر رہی ناں کہ اس لڑکی سے ڈرو گی۔ یہاں تو وہ آنے کی نہیں۔'' جوزف کو اپنے کئے پر بالکل پشیمانی نہیں تھی۔ وہ اندر بڑھ گیا۔۔ جوزی ہونٹ کاٹتی رہ گئی۔۔

☆×××☆
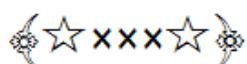
سکندر غصے میں لال پیلا ہوتا گھر میں داخل ہوا۔ دروازہ ٹھک سے بند کیا' زبیدہ باہر نکلیں۔

''کیا ہوا سکندر خیریت تو ہے۔۔؟''

''اماں۔ آپ ہی کہتی تھیں ناں کہ نیناں بہتر ہے نیناں۔ اب مجھے بتائیے نیناں کیسے بہتر ہے وہ بہتر ہو بھی کیسے سکتی ہے اس نے جو کچھ جوزی کے ساتھ یا جو کچھ اس کو کہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیناں میں احساس نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ میرے دل میں نیناں کی جو تھوڑی بہت اہمیت تھی وہ بھی ہوّا ہوئی۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے کیسے گندے جملے کہے اس کو، جس نے کبھی کسی کا دل نہیں دُکھایا اور جس نے

کبھی بھی مجھے اس نظر سے نہیں دیکھا میں ہی بس ۔،، سکندر لحظہ بھر کے لئے رُکا۔،،وہ غیر مذہب تھی اگر میں اس سے محبت کا اظہار کرتا تو وہ مشکل میں پڑ جاتی تھی تب بھی ہماری شادی تو نہیں ہو جاتی تھی میں نے یہ کام بعد کے لئے رکھا پہلے اس کو اچھے اخلاق سے متاثر کرنا تھا اور پھر فیصلہ اس پر چھوڑ دینا تھا اسے بتانا تھا کہ مسلمان اچھے ہیں انتہا پسند نہیں محبت کرتے ہیں تو نبھانا بھی جانتے ہیں لیکن نیناں نے ،کوئی اور ہوتا تو بھی میں سہہ لیتا' میری کزن ہو کر اس کو ایسی باتیں کہیں میں تو زمین میں گڑ گیا پتھر ہو گیا اس کا کزن کیا کیا کہے جا رہا تھا میں ، مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ مجھے بس یہ سمجھ میں آیا کہ نیناں نے جوزی کو بد کردار کہا تھا ، مجھے نہیں پتہ میں نے اس کے ساتھ کوئی پوری زندگی نہیں بتائی میرا اس نے اس چند عرصہ میں دل کا تعلق قائم ہوا ہے میں اُس کی پاک دامنی کی ضمانت نہیں دے رہا اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھنے سے ہی آپ کا دل گواہی دے دیتا ہے اور میرے دل نے بھی اس کے حوالے سے گواہی دی تھی جو میں نے قبول کر لی ۔اماں ۔آپ جائیں اس سے پوچھیں اس نے یہ سب کیوں کر کہا میرا دل تو چاہا جا کے لگا دوں چار ہاتھ اس کے اٹھارہ طبق روشن ہو جائیں لیکن ۔۔آپ جائیں میرا تو دماغ خراب کر دیا ہے اس نے،، سکندر حواس کھو رہا تھا اتنی بے عزتی کی گئی تھی اس کی وہ بھی سکندر کی ذات کو لے کر۔ صرف ایک بار نہیں بلکہ تقریباً ہر دن ۔اور آخر وہ نوکری ہی چھوڑ کر چلی گئی بھائی کی بیماری کا بہانا تھا وہ تو شروع سے ہی بیمار تھا۔،،اور ہاں اب اس نیناں کا نام میرے سامنے نہ لیجئے گا۔ جا کر پوچھیں اس سے کیوں کی اس نے یہ گری ہوئی حرکت ۔،،

،،اچھا اچھا چپ تو کرو میں پوچھتی ہوں اس سے ۔دفتر میں ہنسی مزاق تو لگا ہی رہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ۔۔،،

،،ہنسی مزاق۔۔آپ اس کو ہنسی مزاق سمجھتی ہیں کسی کی بے عزتی کرنا کسی کی ذات کو مزاق بنانا،،

،،اچھا اچھا میں جاتی ہوں پوچھتی ہوں اس سے اس نے یہ سب کیوں کیا۔تم پانی پیو غصہ ٹھنڈا کرو

-

''اور ہاں اس کو کہیے گا آئیندہ ہمارے گھر میں قدم بھی نہ رکھے زہر لگتی ہے مجھے اب وہ۔'' سکندر کے لہجے میں جہاں بھر کا تنفر بھر گیا تھا نیناں کے لئے۔''

''اچھا چھا کہہ دیتی ہوں جاتی ہوں میں۔'' زبیدہ نے ہاتھ کانوں کو لگائے اور باہر کی طرف بھاگیں۔ان کو نیناں کی ساری بساط اُلٹی اسی پر پڑتی دِکھائی دے رہی تھی۔

''نیناں کی بچی اپنا پتہ صاف کرا بیٹھی ہے بےعقل۔ سچ ہے بے عقل لوگوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے جیسے یہ نیناں ہے اب بھگتے خود۔ میں نے جو کرنا تھا کرلیا ذرا سا ایک لڑکا اس سے سنبھالا نہیں ہوا اور کیا خاک سنبھالے گی بھابھی بھی بلا وجہ اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتیں سچ تو یہ ہے کہ ایسی بے عقل لڑکے میں نے رُوئے زمیں پر نہیں دیکھی۔''

زبیدہ کے گھر سے چار گھر چھوڑ چچا چچی کا گھر تھا۔ نیناں، چچا جہانگیر کی اکلوتی بیٹی تھی چچا اور چچی دونوں حیات تھے۔ چچا نرم مزاج جبکہ چچی کا مزاج مرچ تھا، چچا ہی ہر بات کو مانتے دِکھائی دیتے۔ نیناں اور چچی ،جن کو زبیدہ بچپن سے بھابھی کہہ کر بُلاتی رہی دراصل اس کے ماں باپ ان کو بھائی اور بھابھی کہتے تھے تو یہ بات اس کے ذہن میں سما گئی اور وہ بھی ان کے دیکھا دیکھی بھابھی کہنے لگی ہاں چچا کو چچا ہی کہتی تھی۔ سکندر تو بہت چھوٹا تھا جب ماں باپ وفات پا گئے زبیدہ نے سنبھالا اور خوب سنبھالا زمانے کے سرد گرم کے لئے نہیں رکھ چھوڑا خود کڑی دھوپ جھیلی ،سکندر کو سایۂ دیوار دیا۔

بچپن میں بیمار ہوتا تو زبیدہ کی جان پر بن آتی کھانے کے لئے طرح طرح کی چیزیں ڈاکٹرز کے چکر اور خود تو جیسے جسم میں جاں ہی نہ رہتی سکندر میں ہی اٹکی رہتی۔ سکندر کے بنا تو ان کو سانس لینا بھی محال لگتا تھا۔

صرف یہی نہیں تھا کہ زبیدہ سکندر سے ذیادہ محبت کرتی تھیں ،سکندر بھی اس معاملے میں کم نہ تھا

اس نے اگر زندگی میں کوئی عورت پاس دیکھی تھی تو زبیدہ تھیں جس نے بڑی بہن ہونے کے ساتھ ساتھ ماں کی کمی کو بھی خاطر خواہ پورا کیا سکندر کی ہر خواہش پوری کرنا اس کے لئے ہر لمحہ ہر لحظہ فکر مند رہنا' زبیدہ یہی چاہتی تھیں اپنی زندگی میں سکندر کی جب بھی کسی چیز کی خواہش ہوئی' فوراً پوری کی گئی اپنے لئے کہی سالوں کے پُرانے کپڑے استعمال کئے جاتے' کہی کہی سالوں کی پڑی ہوئی سویٹرز میں گزارہ کیا جاتا کاٹن کے کپڑوں کی آستینیں گِھس جاتیں گوشت پکایا جاتا تو لیگ پیس اور چیسٹ پیس جیسے ٹکڑے سکندر کی پلیٹ میں ہوتے اور گردن اور دھڑ اپنے لئے رکھ لیتیں۔

بچپن میں ہم کہانیاں پڑھا کرتے تھے کوئی جادوگرنی ہوتی تھی اور اس کی جان طوطے میں مُقید ہوتی تھی سو زبیدہ خیر جادوگرنی تو نہ تھی لیکن سکندر اس کے لئے جان والا طوطا ہی تھا۔

سکندر ایک بار جب چوتھی جماعت میں تھا اور محلے کے لڑکے نے' جو اس کا کلاس فیلو تھا سکندر کو پتھر مار ڈالا تھا جس نے سکندر کی پیشانی پر زبردست چوٹ لگائی اور جس سے خون رِسنے لگا زبیدہ نے گلی میں آ کر وہ اُودھم مچایا کہ کیا کسی کی میت پر ہوتا ہوگا۔ اس کے بعد سارے محلے والے بھی سکندر سے دور رہنے لگے تھے ملتے تو جھک کر بات کرتے وہ بھی ادب سے۔ کیوں کہ سکندر کو کچھ کہنا گویا گناہ تھا۔ اور اس گناہ کی انہوں نے بہت بڑی سزا بھگتنی تھی سکندر نے بھی زبیدہ کی محبت کا ہمیشہ پاس رکھا۔ زبیدہ نے جس کام سے منع کیا ہوگیا جس کام کا کہا وہی کام کیا بے شک زبیدہ نے سکندر کو بے تحاشہ محبت اور پیار سے' لاڈ اور دِلار سے پالا تھا مگر سکندر میں کوئی بُری خصلت نہیں آئی تھی تعبیدار تھا' فرماں بردار تھا۔ زبیدہ نے سکندر کو کبھی بُرے کام کے لئے تحریک نہ دی۔ اور سکندر کی تربیت ہی اس انداز میں کی کہ اگر ایک طرف اس کو کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی تو دوسری طرف اس کی تربیت میں بھی کسی قسم کی کمی نہیں ہونے دی۔ اب جبکہ اس موڑ پر سکندر کو اپنی زِندگی کا فیصلہ کرنا تھا زبیدہ نے اس کے سامنے آپشن رکھا تھا لیکن سکندر نے کسی اور کو منتخب کر لیا بظاہر تو زبیدہ چپ کر گئی تھیں ان کو یقین تھا کہ وہ لڑکی اسلام قبول کر کے کبھی بھی

سکندر سے شادی نہیں کرے گی اور نیناں کو کہا کہ اس کو نکالو نوکری سے جائے کہیں دور۔اتنی دور کہ سکندر کی زندگی میں اس کی پر چھائیں بھی نظر نہ آئیں۔لیکن اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کے مصداق سب اُلٹا پڑ گیا تھا۔سیدھا جادو کالے جادو میں بدل گیا تھا۔اب اس اُلٹے خسارے کا باران کو برداشت کرنا پڑ گیا تھا۔

''کمال کیا تم نے۔۔اب جاؤ سنبھالو۔اس کو سمجھاؤ تم نے یہ سب نہیں کیا میری تو سن ہی نہیں رہا۔ایک طرح سے دھکے مار کے نکالا ہے اس نے مجھے پہلی بار پہلی بار وہ اتنے غصہ میں بولا ہے مجھ سے۔اور وہ بھی اس لڑکی کی وجہ سے۔تم نے اس کو نوکری چھوڑ کر جانے کا ہی کہا لیکن آگے اس نے سکندر کو کیا کیا جوڑ کر کہا ہ اب جب تم سکندر کے سامنے جاؤ گی ناں تو وہ تم کو بہتر انداز میں سمجھائے گا۔''

''کیا۔۔وہ کہاں مل گئی اس کو۔۔''نیناں کے لہجے میں واضح سی لرزش تھی۔

''مجھے کیا پتہ دفتر والوں نے فون کیا تھا اس کو کہ اس کو تنخواہ دے آئے۔اور پھر پتہ نہیں اس نے کیا کیا کہا اس کو کہ وہ آکر میرے سر پر ناچنے لگا۔اب جاؤ تم کو بتائے گا۔''زبیدہ نے اطلاعات بہم پہنچائیں۔

''مجھے کیا بتائے گا۔سارا لاڈ آپ نے ہی دیا ہوا ہے اس کو میں ہوتی ناں تو لگاتی چار۔دیکھا کیا ہے اس نے اس میں۔عام سی لڑکی ہی تو ہے۔ویسے ہی ہر ایک کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اس نے۔۔''نیناں نے منہ بگاڑا۔

''میں نے تم کو کہا تھا اس کو کہنا کہیں دور چلی جائے۔جان چھوڑے سکندر کی وہ تو کم بخت پھر آن ٹپکی۔''زبیدہ اب کفِ افسوس ہی مَل سکتی تھیں۔

''میں کیا کروں پھر۔سنائی تو اس کو بے نقط تھیں میں نے وہ ہی اتنی ڈھیٹ نکلی میری سوچ سے بڑھ کو تو میں کیا کروں۔اور آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں جا کر سکندر سے معافی مانگوں ،بھئی میں تو بہت

معذرت خواہ ہوں جو تمہاری محبوبہ کو چھیڑا۔ نہیں مجھ سے یہ سب نہیں ہونے کا۔شادی کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ کیا وہی رہ گیا ہے دُنیا میں میرے لیئے۔میں کوئی گری پڑی ہوئی نہیں ہوں یہ مرد ہمیشہ عورت کو دُبکا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں جو ان سے معافی مانگتی رہے ان کے پاؤں دھودھو کر پیئے۔ہنوں۔" نیناں کو سخت طیش آیا۔زبیدہ کے آنے کا مقصد اس کو پتہ چل گیا تھا وہ سکندر کو عزیز رکھتی تھیں۔سکندر کو نیناں کی وجہ سے دُکھ ہوا تھا وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔وہ چاہتی تھیں کہ اب نیناں سکندر سے معافی مانگے۔ ساری گیم سکندر ہی کی تھی نیناں تو ایک مہرہ تھی۔جس کو صرف جیتنے کے لیئے استعمال ہونا تھا۔

"تو کیا اب تم اس کو چھوڑ دو گی۔" یہاں آ کر ایک بار پھر نیناں مار کھا جاتی تھی۔لیکن اس نے ہمت کی۔

"جیسی باتیں آپ کر رہی ہیں ان سے تو مجھے اپنا قطعاً کوئی فائدہ ہوتا دِکھائی نہیں دے رہا۔مسلسل مجھے سکندر کے سامنے ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔تو کیا وہ مجھے سر پر بٹھائے گا۔"

"ارے بھئی اس سے معافی مانگنے میں کیا حرج ہے اوپر اوپر سے کہہ دو ابھی تو اس کا غصہ کم ہو۔

"اچھا وہ مجھے جتنے مرضی سنائے،ذلیل کرے کچھ نہیں چاہ ہے اچھا اصول ہے بھئی چاہ ہے تو پرواہ بھی کرنی پڑے گی سکندر کی۔میں تو عام ہوں وہ انمول ہے۔"

"دیکھو میں خود اس مکّار لڑکی کو اپنے گھر نہیں لانا چاہتی میں اس گھر میں تم کو دیکھنا چاہتی ہوں، تمہارا راج سیکھنا چاہتی ہوں۔تو کیا یہ راج تم ایسے ہی حاصل کر لو گی۔اس کی نظر میں خود کو اچھا ثابت کرو۔دل میں بے شک وہ نظر نہیں آتا۔تم میرے چچا کی بیٹی ہو۔تم مجھے عزیز نہیں تو کون ہے۔سچ تو یہ ہے کہ جیسی محبت میرے دل میں تمہارے لیئے ہے اس اجنبی لڑکی کے لیئے نہیں۔اس لڑکی کے لیئے میرے دل میں کچھ نہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔لیکن اگر اس نے مجھے زیادہ سنائیں ناں تو میں تمام حدود پار کر

جاؤں گی۔ نیناں نے بھی ریڈ سگنلز جاری کر دیئے۔

''اچھا ابھی تو چلو۔ وہ سخت متلایا ہوا ہے کچھ کر نہ بیٹھے۔'' نیناں نے لمبی سانس بھری اور زبیدہ کے آگے آگے چل پڑی۔

''یہ چچا تو کام سے گئے ہوئے ہیں بھابھی کدھر گئیں۔؟'' زبیدہ نے اِدھر اُدھر جھانکا لیکن کوئی نہ نظر آنے پر نیناں سے پوچھا۔ نیناں نے دوپٹہ چہرے پر لپیٹا۔

''وہ ادھر محلے میں گئی ہیں۔ چلیں۔'' وہ دروازے کو بند کر کے آگے بڑھی۔

''تم نے اس کو اس حد تک ذلیل کیا کیا تم مجھے اس کی کوئی خاص وجہ بتا سکتی ہو۔'' سکندر کا غصہ کسی قدر کم نظر آ رہا تھا۔

''سکندر بخدا میرا ایسا کوئی ہرگز مقصد نہ تھا۔ میں تو صرف اس کو چھیڑتی تھی تم میری نیچر سے تو اچھی طرح واقف ہونا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ برا مان کر جاب ہی چھوڑ جائے گی۔ اور وہ بھی ابھی زبیدہ آپی نے مجھے بتایا تو پتہ چلا میں تو سمجھی کہ اس کا بھائی بیمار ہے تو اسی لئے چھوڑ کر چلی گئی۔ آفس میں تو سب یہی کہہ رہے ہیں۔ کہ اس کا بھائی بیمار ہے اس لئے نہیں آ رہی۔ بہر حال میں سخت معذرت خواہ ہوں تم سے اور اس سے بھی میں معافی مانگ لوں گی۔ تم بس پریشان نہ ہو۔ میرے بارے میں بُرا نہ سوچنا۔ تم کو چاہا ہے تم کیا اہمیت دیتے ہو یہ تمہاری مرضی اور جس سے محبت ہو جائے اس کے تو سب ستم برداشت کیئے جاتے ہیں۔''

''خیر معافی تو تم ضرور مانگو گی اس سے لیکن محبت وغیرہ کے ڈرامے مجھ پر اثر انداز نہیں ہونے والے یہ ڈھونگ تم کسی اور کے سامنے رچانا۔''

''ہاں تم کو تو ڈھونگ ہی لگے گا ناں۔ میری حالت میں ہی جانتی ہوں۔'' نیناں کے لہجے میں صدیوں کی نارسائی تھی۔

''اچھا اچھا۔۔اب یہ ذہن میں رکھنا۔کل ہی اس سے جا کر معافی مانگو اور اسے کہو کہ دوبارہ آفس جوائن کرے۔اور ہاں ایک بات لکھ لو۔میری شادی جوزی سے ہی ہوگی تم سے نہیں اس لئے رُکاوٹیں ڈالنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔'' سکندر نیناں کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھا وہ جانتا تھا کہ وہ اب چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح ہے آخر ایک عمر گزاری تھی اس نے نیناں کے ساتھ۔

''میں سب ذہن میں رکھوں گی لیکن تم بھی میری ایک بات ذہن میں بٹھا لو محبت کوئی عام ملنے والی چیز نہیں ہے جو کسی سے تم اظہار، پیسے دے کر دو الفاظ ہمدردی کے بول کر حاصل کر لو گے' محبت کسی کسی کا ہی مقدّر ٹھہرتی ہے۔ کچھ لوگ بدقسمت ہوتے ہیں جو سچی محبت کو کبھی نہیں سمجھ پاتے۔اور ان میں تم بھی شامل ہو۔ایک منٹ میری بات مکمّل نہیں اور آج میں نے تم سے جو سننا تھا' سن لیا۔ جو بے اعتباری تم نے دِکھائی تھی دکھلادی میری دُعا ہے کہ تم خوش رہو لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہ تم کو میری محبت کا یقین آجائے۔ یہ اور بات کہ میں تمہاری چاہت میں گناہ گار ٹھہری۔'' نیناں کی آواز رندھ گئی۔آنسو نینوں کے کٹوروں میں لبالب بھرے تھے۔

اس لمحے سکندر کو نیناں پر تھوڑا ترس آیا تھا لیکن وہی ازلی فطرت۔ نیناں اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکلی۔باہر زبیدہ کے روکنے پر بھی نہ رکی سکندر کے دل سے ایک بوجھ اُترا تو دوسرا پڑ گیا' لیکن جو اترا تھا وہ بھاری تھا۔اس لئے اس بوجھ کی اسے کوئی خاص پرواہ نہیں تھی۔ وہ اس بوجھ کو کبھی بھی اُتار کر پھینک سکتا تھا۔اس لئے اس بات کی اسے خاطر خواہ پرواہ نہ تھی اور آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔

باہر گرمی بڑھ گئی تھی اور سکندر کے اندر ٹھنڈک اُتر رہی تھی۔

☆×××☆
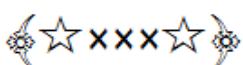
اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا غزالہ کے منگیتر نے بھی شادی سے انکار کر دیا پھوپھو کی بیٹی کی اب کوئی

اہمیت نہیں رہی تھی نزہت کو پہلے ہی پتہ تھا اُن کے گھر والوں کے لئے یہ تیسرا بڑا صدمہ تھا غزالہ تو بالکل کملا کر رہ گئی تھی اس نے ہمیشہ اپنے بچپن کے منگیتر کو ذہن میں رکھا تھا اور اسی کے حوالے سے اس کے خواب تھے اب سب برف کی طرح جامد ہو گئے تھے اور شیشہ کی طرح ٹوٹ کر کرچیوں میں بٹ گئے تھے

۔

بھائی اپنے اپنے گھروں کے تھے اولاد بیویوں والے۔ کتنے دن ان کے غم میں سانجھ دِکھاتے۔ بھابھیاں اپنی زِندگی میں مصروف تھیں بھائی اپنے روزگار والے تھے۔ غزالہ اپنے غم میں تھی ابا علیحدہ پریشان تھے صرف نزہت تھی جو گھر کے تمام کام بڑھ چڑھ کر کئے جا رہی تھی وقت گزرتا گیا اور گزرتا گیا ابا بھی چھوڑ گئے گالو سوچ سوچ کر ذہنی مریض ہو گئی اور نزہت نے باقی زندگی ایسے ہی بِتانے کا سوچ لیا تھا۔ بھائیوں نے پہلے پہل بہت اصرار کیا مستقبل کے اندیشے دِکھائے۔ بھابیوں نے بھی آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ اس نے اب تنہا ہی رہنا تھا کسی کا احسان نہیں لینا تھا۔ اس طرح بھائی اور بھابھیاں بھی تھک کر پیچھے ہٹ گئے ایک بھائی کراچی اور دوسرا اسلام آباد اور تیسرا بیرونِ ملک منتقل ہو گیا ۔خرچے کے نام پر ان کے لئے پیسے کھلے بھیج دیتے تھے بھابھیاں اچھی ملی تھیں ورنہ بہت مشکل ہو جاتی۔

اب گھر میں گالو اور نزہت ہی اکیلے رہ گئیں۔ بھائی اپنے مصروفیت والے تھے وہ کہاں گالو کی ذمہ داری اُٹھاتے نزہت نے ہی ہمت کی کپڑے سلائی کی مشین خریدی، یہ نہیں تھا کہ خرچہ پُورا نہیں ہوتا تھا بھائی بہت دیتے تھے لیکن خود سے بھی تو کچھ کرنا چاہیے تھا ناں۔ ٹیوشن کے لئے بچے بٹھائے۔ سیپارے کا درس دینے والی باجی بنی۔ آمدنی آنے لگی، فاقے تو پہلے بھی نہ تھے اب بھی نہیں۔ بس اب ہمت آ گئی تھی صبر آ گیا تھا۔ چار سال گزر گئے تھے۔ سیکنڈ' منٹوں میں اور منٹ' گھنٹوں میں اور گھنٹے' دِنوں میں تبدیل ہوئے اور گھنٹوں نے مہینوں اور مہینوں نے سالوں کی ردا اُوڑھی۔

نزہت نے ایک چالاکی کھیلی اس لڑکے کے گھر کا پتہ لیا وہاں گئی سب دیکھا بھالا وہاں اس کو لڑکے

کی ماں اور باپ پہچانتے تھے تصویریں اس زمانے میں بہت کم تھیں اور نزہت کی تو ویسے بھی نہ تھی اس لحاظ سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ لڑکا نزہت کو نہیں پہچانتا تھا، ویسے بھی اس معمولی سی لڑکی کو کون یاد رکھنے والا تھا۔ چار سال پُرانی بات تھی کس کے ذہن میں ہونی تھی۔

''بی بی جی کام چاہیئے۔'' نور فاطمہ کے سامنے کھڑی نزہت نے ادب سے ہاتھ باندھے ہوئے اس سے گزارش کی۔ یقیناً نور فاطمہ ہی اس کی بیوی تھی جس نے پانچ سال پہلے انکار کر کے اس کے گھر طوفان لایا تھا۔

''میری مرضی نہیں چلتی۔۔ساری مرضی میرے میاں صاحب کی چلتی ہے میری یہاں کوئی حیثیت نہیں۔۔'' نور فاطمہ نے ایک نظر نزہت کو دیکھا نسرین نے اس کو بتادِیا تھا نزہت کے بارے میں لیکن وہ جھجھک رہی تھی۔ اس نے اِک ادا سے کہا اور ہاتھ میں لیا موبائل سامنے میز پر پٹخا۔ نزہت اجنبی تھی لیکن اتنا جان گئی تھی کہ نور فاطمہ کی اپنے شوہر سے نہیں بنتی۔

''کیوں جی۔۔کیوں نہیں چلتی اب آپ اس گھر کی مالکہ ہیں آپ کی نہیں چلتی تو کس کی چلتی ہے۔''

''نسرین۔ پانی لاؤ نزہت کو پانی پلاؤ۔ ایک بار تم یہاں آجاؤ تو خود دیکھ لوگی۔'' بی بی اچھے دماغ کی تھی۔

''میں نے کہا بھی تھا چھ دن ہو گئے ہیں امی کی طرف جانا تھا گھر میں ڈرائیور بہت لیکن ان کے ساتھ جانا تھا کتنا عرصہ ہو گیا۔ یہ اُدھر نہیں گئے وہ ہر بار مجھ سے پوچھتے ہیں میں بھی بہانے بنا بنا کر تھک گئی ہوں۔۔لیکن نہیں میں پاگل ہوں۔ فضول بولتی ہوں میٹنگ میں ہیں جناب۔۔'' ایک لڑکا دندناتا پھر رہا تھا شاید تین، چار سال کا۔ ''تم تو جاؤ یہاں سے مصیبت کی ہوئی ہے ان لوگوں نے میری جان۔۔ اچھا بُرا نہ منانا میرا دماغ چکرایا ہوا ہے تم بیٹھو۔ نزہت سامنے نیچے بیٹھ گئی۔

''اور میں سوچتی ہوں تم آ ہی جاؤ، ان کو تو ٹائم نہیں ملتا کہ گھر کے حالات دیکھیں۔ویسے بھی مجھے کچن میں ایک عدد ملازمہ کی ضرورت تھی۔لیکن کیا کروں میاں کھڑوس کے مزاج ہی نہیں ملتے کوئی موقع ملے تو بات کروں خیر میں بات کرلوں گی۔تم پانی پیو ملازماؤں سے ملو اور کل آجاؤ، وہ اپنی مرضی کرسکتا ہے تو کیا میں نہیں میں کوئی گرے پڑے گھرانے سے ہوں میں اس کھونٹے سے باندھے ہونے کا عذاب جھیل رہی ہوں مرضی کی شادی ہے ورنہ دو لفظ بول کے جا چکی ہوتی اب ماں باپ بھی ایسے ہی شور کریں گی اچھا خاصا ہمدانی صاحب کے لئے کہہ رہی تھیں میری ہی عقل گھاس چرنے چلی گئی تھی چلو خیر تم کل آنا نسرین تم اسے گھر کے باقی ملازمین سے ملاؤ۔۔اور کام سمجھاؤ۔میں پھرتڑائی کرتی ہوں میں بھی اس کے ناک میں دم کردوں گی۔۔''نور فاطمہ خود سے بڑبڑائی۔اور فون کی کیز پریس کرنے لگی۔

''جی بیگم صاحبہ۔۔''نسرین نے آداب بجالاتے ہوئے پانی پی کر فارغ ہوتی نزہت کو آنکھوں سے اِشارہ کیا۔

''شکریہ بیگم صاحبہ۔۔'' نسرین کی دیکھا دیکھی نزہت نے بھی بیگم صاحبہ کہہ کر گلاس ٹیبل پر رکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی اور نسرین کے ساتھ کچن کی طرف چل پڑی۔

''یہ بیگم صاحبہ غصہ میں کیوں تھیں۔۔؟''

''چھوڑو یہ ان دونوں کا روزانہ کا معمول ہے۔دونوں کی پسند کی شادی ہے لگتا ایسے ہے جیسے صدیوں سے ایک دوسرے کے دُشمن رہے ہوں۔ایک سیر ہے تو دوسرا سوا سیر۔ایک مشرق ہے تو دوسرا مغرب۔غصہ میں دونوں ایک دوسرے کے ثانی نہیں۔چھوڑو خیر تم بتاؤ کیسی ہو۔میں نے بیگم صاحبہ کو بتا دیا تھا تمہارے بارے میں اس لئے تم کو پہچان گئی تھیں۔مہینے کا پانچ ہزار دیں گی کھانا پکا کر بے شک چلی بھی جایا کرنا۔تمہارا کام صرف کھانا پکانا ہے پیسے بہت ہیں ان لوگوں کے پاس میں نے خود سنا تھا بیگم صاحبہ نے یہ جو موبلیل اُٹھایا ہوا تھا ناں یہ لاکھ تک کا ہوگا۔اچھا چلو میں تمہاری دوسری ملازماؤں سے

ملاقات کراتی ہوں۔ میں مستقل اِدھر ہی رہتی ہوں یہ تو تم جانتی ہی ہو۔ باتیں کرتے کرتے وہ آگے نکل گئی چھوٹا بچہ کھیل رہا تھا نور فاطمہ فون پر شور مچائے جا رہی تھی نزہت نے ذرا کی ذرا ان کو دیکھا اور پھر آگے بڑھی سامنے دیواد پر ٹانگی ایک تصویر پر نگاہ پڑی اور جیسے ساکت ہو گئی۔' یہ کون ہے۔۔''

''یہ صاحب جی ہیں بہت بڑی فیکٹری ہے ان کی۔'' نزہت نے دیکھا نہیں تھا لیکن تصویر دیکھ کر شک میں مبتلا ہو گئی تھی جس کی نسرین نے تصدیق کر دی تھی اس نے اس کی زندگی خراب کی تھی یہ قاتل تھا اس کی ماں کا' اس کے باپ کا' اس کی بہن کے ارمانوں کا اس کی خواہشوں کا وہ اُسے ایسے ہی بخش دے گی نہیں کبھی نہیں۔ چھوڑوں گی تو نہیں تم کیا سمجھے تھے مجھے غریب گھرانے کی ایک کم تر سی لڑکی۔ تم دیکھنا یہ غریب گھرانے کی کمتر سی لڑکی تم کو کیسے تگنی کا ناچ نچاتی ہے۔

''کہاں کھو گئی ہو میں اُدھر جا رہی ہوں تم اِدھر کیا کر رہی ہو۔ وہ سوچتی سوچتی تصویر کے سامنے آ گئی

''او ہاں کچھ نہیں۔ چلو''

''میں نے ایک نئی ملازمہ رکھ لی ہے' باہر نور فاطمہ اپنی نئی آنے والی ملازمہ کا کسی کو بتا رہی تھی

''ہاں ہاں ملازمہ کہہ لو۔ یہ تمہارے لئے ملازمہ کم مصیبت زیادہ ثابت ہو گی۔ سوچ لو تم آگے کیا ہونے والا ہے۔'' زہریلی مسکراہٹ لئے نزہت آگے بڑھ گئی جب خود ساری عمر جل کر گزارنی ہے تو تم کو ٹھنڈک و آرام سے کیوں نہ محروم کروں میں کیا کرتی ہوں تم دیکھنا۔ نزہت اب بے پرواہ ہو گئی تھی جو بُرا ہونا تھا ہو چکا اِس سے بُرا اور کیا ہو سکتا تھا اَب اس گھرانے کی باری تھی۔

''بیگم صاحبہ اُمید سے ہیں۔ شاید اسی لئے چڑچڑی ہو گئی ہیں ویسے بھی یہ صاحب پر اعتماد نہیں کرتیں، یہ دونوں بندے کو پاگل کر دیتے ہیں۔''۔ نزہت سنے جا رہی تھی۔ نسرین کی اَلف لیلیٰ ختم ہونے کو نہ تھی اور اب کچھ نیا بھی اس ماحول میں شامل ہونے کو تھا۔

☆×××☆
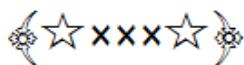
''امی اتنی جلدی۔۔ابھی تو میں سیکنڈ ائیر میں ہوں۔'' ساشے منمنائی۔

''ارے بیٹا صرف منگنی ہی تو رکھنا چاہتے ہیں اس میں ٹینشن لینے کی کیا بات'' کوثر نے ساشے کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''امّی لیکن ابھی میری studies جا رہی ہیں دو ایک ہفتوں میں پیپرز ہیں بھائی کی شادی کر دیں مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔۔'' ساشے بلاوجہ ہی کتاب پر پینسل پھیرنے لگی۔

''منگنی سے کیا ہوتا ہے اور ویسے بھی ہم نے یہ سب تو کرنا ہی ہے ناں۔سوچا ہے کہ نوید کے نکاح کے ساتھ ہی تمہاری منگنی ارسل کے ساتھ ہو جائے۔''

''نہیں امّی میں نہیں کر سکتی ابھی منگنی اور آپ کو پتہ ہے کہ میں ارسل کو پسند نہیں کرتی۔۔۔''

''بیٹا خاندان کا لڑکا ہے دیکھا بھالا ہے تو اس میں مسئلہ کیا ہے۔''

''امّی میں ارسل سے شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے پتہ ہے کرن بھابھی بہت اچھی ہیں یقیناً وہ بھی اچھا ہے لیکن میں اس سے شادی نہیں کر سکتی پلیز آپ ابو کو بھی سمجھا دیں ویسے بھی میں وٹے سٹے کے حق میں نہیں، میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں پڑھنے کے بعد دیکھوں گی۔ یہ نہ سمجھیے کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں ایسی کوئی بات نہیں اگر ہوئی ناں تو آپ میرے لئے دوست کی طرح بھی ہیں میں سب بتا دوں گی آپ کو۔۔'' کوثر ساشے کی نیچر سے اچھی طرح واقف تھیں۔وہ ان کی چہیتی بیٹی تھی وہ اس کی بات ماننے پر تیار تھیں۔

''چلو بیٹا جیسی تمہاری مرضی ہم بھی تمہاری خوشی میں خوش ہیں جیسی تمہاری مرضی ہم نے ان سے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا بس میں نے اور تمہارے ابو نے اس بارے میں سوچا کہ ارسل کے گھر والے

اشارے اشارے میں تمہارا کہہ رہے ہیں تو ہم نے سوچا تم کہ تم سے پوچھ لیں۔ تو ٹھیک ہے بیٹا ہم کو تمہاری خوشی عزیز ہے تم جیسے خوش رہو۔''

''بہت شکریہ امّی آپ کو پتہ ہے میں کبھی کبھی سوچتی ہوں میں کتنی خوش قسمت ہوں اتنے اچھے بھائی، آپ ابو۔ میں کبھی بھی کسی بھی صورت میں آپ کی محبت کا قرض نہیں چکا سکتی۔ آپ نے مجھے وہ سب دیا جو میں نے مانگا' جو میں نے چاہا' even کہ بعض اوقات میری نظر بھی کسی چیز پر پڑ جائے تو آپ اس کو میرا کرنے میں کوشاں ہو جاتی ہیں اور پہلی فرصت میں میرے لئے حاصل کر لیتے ہیں بس میں اپنی ان محبتوں پر فخر محسوس کرتی ہوں۔ یو آر گریٹ ماما۔'' ساشے نے کتابیں پیچھے کیں اور آ کر کوثر سے لپٹ گئی۔

''ہاں بیٹا تم دونوں ہماری شادی کے چار سال بعد پیدا ہوئے، چار سال بعد نوید اور پھر اس کے تین سال بعد تم۔ تو تم دونوں تو ہماری آنکھوں کا تارا ہو، روح کی ٹھنڈک ہو۔ تم دونوں کو خوش دیکھ کو ہم جان لیتے ہیں کہ ہم اپنی کوششوں میں کو قدر کامیاب ہوئے ہیں۔ تم دونوں کی خوشی ہمارے لئے سب کچھ ہے ہمارے بس میں ہو تو سارے جہاں کی خوشیاں تم دونوں کی گود میں ڈھیر کر دیں۔ نوید بھی اچھا ہے کرن اس کی کولیگ تھی ہماری اور ان کی فیملی دور پرے کی رشتہ دار بھی ہے تو جب نوید نے کرن کے لئے کہا تو ہم دونوں فیملیز ملیں، ایک دوسرے کو دیکھا بھالا اور پھر رشتہ طے کر دیا اور ارسل بھی MBA کر رہا ہے لاسٹ سمسٹر میں ہے' وہ لوگ اس کے لئے رِشتہ تلاش رہے تھے اور جب اُن کی نظر تم پر پڑی تو انہوں نے اِشاروں کنایوں میں تمہارا ذکر کیا تو تمہارے ابو نے کہا کہ تم سے پوچھ لوں، ہم آپ دونوں کی مرضی چاہتے ہیں تو جیسے تم کہو بیٹی زندگی تم لوگوں نے گزارنی ہے اس میں اگر ہم بھی خوش ہو جائیں تو ہمارا کیا جاتا ہے۔''

''اسی لئے تو میں کہتی ہوں امی آپ دُنیا کے بیسٹ ماما پاپا ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں کوئی

خاص سکھ نہیں دیکھے لیکن ہمارے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔تو کیا ایسے ماں باپ کو خراجِ تحسین نہ پیش کیا جائے۔۔'' ساشے نے بہت عقیدت سے کوثر کے منہ پر پیار کیا۔

''اچھا چلو بیٹا آؤ کھانا کھالونوید تو شاپنگ کرنے گیا ہے وہ کہہ رہا تھا دوستوں کے ساتھ ہے لیٹ ہو جائے گا اور اُن کے ساتھ پہ لنچ کرلے گا۔تمہارے ابو باہر انتظار کر رہے ہیں چلو تم جلدی سے جاؤ۔''

کوثر اٹھ کر جانے لگیں۔

'اچھا امی میں ابھی آتی ہوں اینڈ تھینک یو ویری مچ۔'' ساشے نے ہوائی بوسا جھاڑا اور کوثر مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

☆×××☆
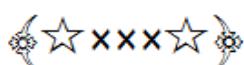
گاڑی کچے راستے پر آ پہنچی تھی سورج اُبھرا ہوا تھا اور بالکل سر سے عین تھوڑے سے آگے نکل گیا تھا کل دھند اور بارش رہی تھی اور آج ہلکے ہلکے سے بادل آسمان پر منڈلا رہے تھے۔گاڑی آگے بڑھتی گئی ،ایشاء ڈرائیور کو راستہ بتاتی گئی دائم ایشاء کو relax رہنے کا کہہ رہا تھا۔

''ٹینشن نہ لو، تم نہ بولنا میں ان سے بات کروں گا۔یقیناً ان کو تمہارے جانے کا غم ہوگا اور یہ بات تو تم بھی جانتی ہو کہ تمہارے اس طرح جانے سے لوگوں نے ان کو کیسی کیسی باتیں کہی ہوں گی۔اس لئے وہ جو بھی کہتے رہیں تم خاموش رہنا۔تم غصہ نہ ہونا۔ان کو اپنے من کا غم ہلکا کرنے دینا، جب ان کا غصہ اُتر جائے گا تو وہ صحیح بات کو سمجھ پائیں گے۔وہ تم سے اب بھی محبت کرتے ہیں اس بات کی میں تم کو گارنٹی دیتا ہوں۔'' ایشاء کے دل میں خوف تھا جو دائم زائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے ابا پر بھروسہ ہے وہ اچھے ہیں پھوپھو ابا کو ورغلاتی ہیں وہ ابا پر صرف اپنا حق سمجھتی ہیں حالانکہ وہ شدی شدہ ہیں اولاد نہیں ہے ان کی وہ اپنے شوہر اور اپنے گھر کو اب بھی ثانوی درجہ ہی دیتی ہیں۔ان

کا بس نہیں چلتا کہ ابا کو اپنے جہیز میں لے جاتیں۔'' دائم اس کی بات پر ہولے سے مسکایا۔

''ہوتی ہیں طوفانی محبتیں بھی۔تمہارا کوئی اور بہن بھائی جو نہیں' اس سے غلط مطلب نہ نکالنا، میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ ظاہر ہے بہن بھائی میں فطری طور پر محبت موجود ہوتی ہے۔بعض کسی کی محبت کو صرف اپنا حق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔یعنی بعض اوقات ان کو کسی تیسرے کی مداخلت گراں گزرنے لگتی ہے۔بہر حال پریشان نہ ہونا۔چھوڑو میں ہینڈل کرلوں گا۔تم دیکھنا۔'' دائم نے ایشاء کو تسلی دی۔

''میں تو آپ کا اُس رات کا احسان ہی نہیں بھول سکتی، باقی کیا کہہ سکتی ہوں' آپ جو بھی کریں گے بہتر ہی کریں گے۔'' ایشاء کو بار بار وہ رات یاد آتی جب دائم کسی فرشتے کی مانند ایشاء کی زندگی میں آیا تھا۔

''میں نے کوئی احسان کوئی احسان نہیں کیا تھا صرف فرض ادا کی تھا تم میں اچھائی تھی اس لئے اللہ نے تم کو محفوظ رکھا اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم ان اس زندگی کو مثبت موڑتی ہو یا منفی۔''

''میں نے زندگی میں محرومی' دکھ ہی دیکھے ہیں۔بابا کا ذرا سا پیار بھی مل جاتا تو ایسے لگتا جیسے صحرا میں کسی بھٹکتے مسافر کی طرح پانی کا قطرہ منہ میں ٹپکا ہو، جو اسے وہ سیراب ہونا چاہے اور منتظر رہے اگلا قطرہ کب منہ میں ٹپکے گا۔وہ پانی کا قطرہ اس کی اُمید بڑھاتا ہے لیکن وہ آخری قطرہ ہو جو اس کے منہ میں ٹپکا ہو۔میرے لئے ابو کی محبت بھی ایسی ہی تھی ذرا سے پیار دِکھاتے تو پھوپھو غالب آجاتیں۔وہ کہتیں کہ اس لڑکی سے اتنی محبت نہ کرو' کیا مِلا تم کو اس کی ماں سے محبت کر کے وہی سب یہ بھی کرے گی۔میں نے امی کے حوالے سے ہمیشہ طعنے برداشت کئے پھوپھو کہتی ہیں میری امی کردار کی اچھی نہیں تھیں۔اسی لئے کسی غیر مرد کے ساتھ بھاگ گئیں لیکن پھر ابو نے دوسری شادی بھی تو کی وہ بھی ابو کو چھوڑ کر چلی گئیں۔تو کیا ابو سے شادی کرنے والی دونوں عورتیں ہی کردار کی اچھی نہ تھیں۔یا کوئی اور بات تھی دراصل سارا مسئلہ ہی پھوپھو تھیں۔ابو کی پسند کی شادی نہ قبول سکیں پھر اپنی مرضی کی عورت لائیں۔وہ

پھوپھو کو اچھے سے جانتی تھی اس لیئے پھوپھو کو کہنے لگی کہ تم اپنے گھر آرام کیا کرو اب، اب میں آ گئی ہوں اس گھر کو سنبھال لوں گی، تو پھر بھی وہی ہوا جو پھوپھو نے چاہا، وہ بھی ابو کو چھوڑ کر چلی گئیں۔"

"بلاشبہ تم صحیح کہتی ہو کسی چاہنے والے کی بے اعتنائی پر مشکل سے ہی صبر آتا ہے میں تمہارے احساسات سمجھ سکتا ہوں۔ کتنی دیر میں تمہارا گھر آنے والا ہے۔" دائم نے آگے دیکھا دھول اب کافی حد تک بیٹھی ہوئی تھی۔

"بس بھائی! اِدھر دائیں ہاتھ کو موڑیں، آگے گلی تنگ ہے پیدل چلنا پڑے گا دو تین گلیاں۔" ایشاء نے ڈرائیور کو راستہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں پہلی بار تو وہ تم کو دیکھ کر شاک میں آ جائیں گے۔ تمہارے جانے کا پتہ نہیں انہوں نے محلے والوں کو کیا کہہ کر چپ کرایا ہوگا، کاش گھر سے بھاگنے والی لڑکیاں اپنی نادانی پر قابو پائیں۔"

"گھر کے حالات ہمیں ان باتوں پر مجبور کرتے ہیں اگر گھر والے ہمارے ساتھ محبت اور عزت سے پیش آئیں، ہم کو ہمارا حق، ہماری اہمیت بتائیں تو ہم میں سے کافی لڑکیاں ایسی حرکتوں سے باز رہیں۔"

"تو کیا تم سمجھتی ہو کہ گھر سے بھاگ نکلنے پر تم کو اچھے حالات ملیں گے ہر ایک کے اپنے غم اور اپنے مسائل ہیں۔ گھر سے باہر نکل جانے والی لڑکیوں سے پوچھو، چاہے مجبوری میں گھر سے نکلتی ہیں یا کسی اور کام سے، کتنی مشکل ہے ان کی زندگی، تم اللہ کا شکر ادا کرو، تم ایک بار پھر اپنے بابا سے مل سکو گی، ان سے معذرت کر لینا اور تمہاری پھوپھو کی کیا سائیکی ہے تم کو سمجھنی چاہیئے۔"

"جی بس یہاں روک دیجیئے۔" ایشاء نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اب یہاں سے تیسری گلی میں ہمارا گھر ہے۔" ایشاء باہر نکلی اور دوسری طرف سے دائم نکلا اور دروازہ بند کیا۔

گلیاں کچی تھیں اور اُدھڑی ہوئی تھیں۔کچھ دور ایک چھوٹے سے میدان میں چند بچے کرکٹ نُما کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔کسی گائے کے شور نے مزید ماحول کو گھریلو سا بنا دیا تھا۔ایشاء کے انداز سے بے چینی واضح نظر آتی تھی۔لیکن دائم نے لاعلمی کا سا انداز رکھا' پتہ نہیں اب یہ بے چینی ابا سے فطری محبت کی وجہ سے چھلکتی تھی یا پھر کسی سنگین نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے۔گلیوں سے گزرتے ہوئے دائم نے اُوپر دیکھا' یہاں زیادہ تر لوگوں کے گھر ڈبل اسٹوری نظر آرہے تھے۔ایک لڑکی منہ پر دوپٹہ لئے اُسے ہی چھت سے دیکھتی چلی جارہی تھی' کچھ اوراعتماد کا اندازہ لگاتے ہوئے اس نے ہوائی سلام بھی دے مارا ' دائم گڑبڑایا اور اس نے واپس نیچے دیکھنا شروع کر دیا' تھوڑا آگے بڑھا تو لڑکی نے آواز ہی دے ڈالی۔

''نی بابو میرا یہ کپڑا نیچے گر گیا ہے ذرا اُوپر تو پھینکیو۔'' دائم نے پلٹ کر اس کو دیکھا اور پھر گلی میں نظر دوڑائی۔ایک قمیض نیچے پڑی ہوئی تھی۔دائم نے اثبات میں سر ہلایا۔اور قمیض اُٹھائی' گلی میں موجود نالی میں گر جانے کی وجہ سے گندے پانی سے اس پر نقش بن گئے تھے۔ایشاء وہی کھڑی ہو گئی اور دائم کو پیچھے مڑ کو دیکھنے لگی۔

''اور ایشاء تم۔۔تم بتاؤ کیسی ہو۔اتنے عرصہ بعد نظر آرہی ہو اور کون ہے یہ بابو تیرے ساتھ۔۔'' لڑکی نے باتوں کی ابتدا کی۔ایشاء جواباً چپ رہی۔دائم نے قمیض لپیٹ کر اُوپر پھینکی۔لڑکی نے کیچ کر لی اس کوشش میں اس کے منہ سے نقاب نُما دوپٹہ گر گیا۔لڑکی عام سی شکل وصورت کی تھی۔

''تم سناؤ کیسی ہو۔۔نیا مرغا پھانسا ہے تم۔''

'' بکواس نہ کرو۔ایسی گھٹیا حرکتیں تم کو ہی مبارک ہوں۔''

''ہمیں تو یہ بابو عزیز ہو گیا قسم سے۔۔''لڑکی کھلکھلائی۔دائم ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''دائم چلو یہاں سے میں اس کے منہ نہیں لگتی۔''

''اب کہاں ہم کو لفٹیں کراؤ گی۔۔''

''آپ چلیے دائم۔۔'' دائم چل پڑا۔لڑکی گلی کے آخری کونے سے ان دونوں کو دیکھ رہ تھی۔

''کون تھی یہ۔۔''

''میرے ساتھ پڑھتی تھی گھر بھی کبھی کبھی آتی ہوتی تھی مکار لڑکی۔۔''

چلتے چلتے وہ آگے نکل آئے۔

''یہ ہمارا گیٹ ہے۔''

ایشاء گیٹ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔دائم آگے بڑھا،''تم ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔'' دائم ایشاء کی ہچکچاہٹ جان گیا تھا۔اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''جی کون۔۔؟'' اندر سے کسی عورت کی آواز آئی۔

''جی دروازہ کھولیے۔'' اور ساتھ ہی دروازہ کھلنے پر ایک عورت نے باہر سر نکالا۔

''جی۔۔آپ کون۔۔ایشاء تم۔۔'' ساتھ ہی اس عورت کی نظر ایشاء پر پڑی اور اُلٹے پاؤں واپس اندر بھا گی۔

''زبیدہ۔۔رحیم بخش۔۔ایشاء۔۔'' دائم نے ایشاء کی طرف دیکھا اور اندر کی طرف بڑھا۔ایشاء مزید اپنے آپ میں سکڑ گئی۔دِل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''تم۔۔تم یہاں کیوں آئیں اب۔۔بے شرم۔'' رحیم بخش فوراً آگے آیا ساتھ ہی اس موجود لڑکے کو دیکھا،''اور تم کون ہو۔تم ہی اس کو ساتھ لے گئے تھے ناں۔کیوں آئے ہو تم دونوں اب یہاں۔ بچی کھچی عزت کو بھی نیلام کرنے۔۔''

''ایسی بات نہیں ہے انکل۔ایشاء آپ کی بیٹی ہے اور آپ سے ملنے آئی ہے۔۔'' دائم نے اپنی صفائی بعد کے لئے کر رکھی۔

''نہیں ہے یہ میری بیٹی' میری بیٹی ہوتی تو ایسی حرکت نہ کرتی۔۔اِسے کیا پتہ میں کتنا ذلیل ہوا

ہوں۔۔" رحیم بخش حلق کے بل چلایا۔ زبیدہ پریشان ہوئی۔

"بھائی صبر کریں، غصہ نہ کریں۔ آپ کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔ اور خراب ہو گی۔ اسے کیا پرواہ وہ تو پھر چلی جائے گی۔۔" زبیدہ اپنے بھائی کی طبیعت کے لئے متفکر تھی۔

"تو اور کیا تم یہ سمجھیں کہ میں اس کو دوبارہ اس گھر میں گھسنے دوں گا۔۔ خوش فہمی ہے اس کی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ یہ ہے تو گیٹ سے ہی چلتا کر دیتا۔ اندر بھی داخل نہ ہونے دیتا۔" چوکھٹ پر کھڑی دو عورتیں آپس میں چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔

"زبیدہ اس کو کہو چلی جائے یہاں سے اور واپس اِدھر کا رُخ نہ کرے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" رحیم بخش نے نفرت سے ایشاء کو دیکھا اور پھر دائم پر نگاہ کی۔ "اور تم اِسے کیوں لائے ہو یہاں، تم ہی بھگا لے گئے تھے ناں اسے۔ شادی تو کر لی ہو گی یا ایسے ہی رکھی ہوئی ہے۔۔" ایشاء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بھائی کیوں ہلکان ہوتے ہو۔ یہ سننے والی نہیں۔ اب کہنے سننے کو باقی رہ ہی کیا گیا ہے اب بہتر ہے کہ اُدھر ہی رہے جہاں یہ نو دن گزار چکی ہے۔ ہم نے کیا کرنا ہے اب اس کا۔۔" زبیدہ بھائی کی طبیعت کو لے کر پریشان تھی۔

"دیکھیے۔۔ آپ میری بات سنیے۔ ایشاء کو میں آپ لوگوں سے ملوانے لایا ہوں۔ یہ ملنے آئی ہے آپ سے۔۔ معافی مانگنے آئی ہے آپ سے۔۔" دائم نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"معافی کس بات کی۔۔؟ عزت کو دو کوڑی کا کرنے پر۔۔ اب کیا بے مول ہی کر دینا چاہتی ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ یہ آتی ہی نہ۔۔ محلے والوں کو بتا دیا تھا کہ اغواہ ہو گئی، اب کیا بتائیں گے کہ وہی اغواہ کرنے والا اس کو ہمارے ساتھ ملوانے بھی لایا ہے اس کو۔۔" رحیم بخش غصہ میں لال پیلا ہو رہا تھا۔ "لے جاؤ اس کو میری نظروں سے دور۔۔ اور پھر اسے کبھی نہ لانا میرے سامنے اس نے میرا مان توڑا۔۔

اب کیا اُمید ہے مجھے اس سے۔۔" زبیدہ نے حقارت سے ایشاء کی طرف دیکھا۔" کم بخت۔گھر سے بھی نکلی تو امیر بندہ ملا ہے اسے۔کوئی پریشان تو نہیں دکھتی اس کے ساتھ۔۔"

"کیا آپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لیئے کوئی ذرہ برابر بھی جگہ نہیں۔"

"میرے دل میں کیا میری زندگی میں بھی نہیں۔ چلے جاؤ۔اب کبھی بھی اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔بہت مذاق بن چکے،ہم مزید کی سکت نہیں۔"

"چلیے جیسے آپ کی مرضی۔۔یہ میرا کارڈ رکھ لیں جب کبھی آپ کا دل کیا ایشاء کو ملنے کو تو مجھے فون کر دیجیے گا میں خود ایشاء کو آپ سے ملوانے لے آؤں گا۔" رحیم بخش نے دائم کے ہاتھ سے کارڈ لے کر دوسری طرف پھینک دیا جسے نظر بچا کر زبیدہ نے اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔۔دائم بے بس ہوا۔ایشاء کو دیکھا وہ پریشان سی کھڑی تھی اور پھر دائم نے ایشاء کو چلنے کا اِشارہ کیا۔"اور ہاں آپکی بیٹی میرے پاس بالکل سلامت ہے اور آپ کی امانت ہے،جب بھی دل چاہے آپ اس سے مل سکتے ہیں۔۔ایشاء کی آنکھوں میں آنسو چھلکتے جا رہے تھے۔وہ بھاگی اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔دائم بھی تھکے تھکے سے انداز میں گیٹ سے باہر نکلا۔رحیم بخش نے بھاگ کر گیٹ زور سے بند کیا۔دائم باہر نکلا تو دیکھا ایشاء مخالف سمت میں بھاگ کر جا رہی تھی۔دائم پیچھے بھاگا۔

"ایشاء۔۔رکو۔۔"

"نہیں میں نہیں جاتی آپ کے ساتھ۔۔میری وجہ سے آپ بھی مصیبت میں ہیں میں آپ کے لئے مزید مشکلات نہیں کھڑی کرنا چاہتی۔" روتے روتے ایشاء کی ہچکی بندھ گئی۔دائم نے اس کے مقابل پہنچ کر فوراً سے اس کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچا۔"پاگل مت بنو ایسے بھاگنے سے بھی کبھی مسئلے حل ہوئے ہیں تم بہت بے عقل ہو سمجھتی ہی نہیں یہاں محلّہ ہے ابھی سب لپک کر دیکھنے لگ پڑیں گے چلو اِدھر سے۔گھر چلتے ہیں وہاں بات ہوتی ہے۔۔" ایشاء کے رونے سے دائم کا دل بھی خراب ہوا۔ایشاء نے اپنے

گھر کے جو حالات بتائے تھے اس سے بھی مشکل ہو گئے تھے۔ ایشاء روتے روتے دائم کے ساتھ ہو لی۔

''بڑے رُسوا ہو کے تیرے کُوچے سے ہم نکلے۔۔'' وہ لڑکی منڈیر پر ابھی تک موجود تھی۔ ''ارے صاحب کیوں ہلکان ہوتے ہو' ادھر آؤ' ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم کھاؤ۔ غصہ نہ کرو۔۔'' ایشاء نے غصہ سے اس لڑکی کی طرف دیکھا' 'ہاں بھئی یہ تو تمہارا ہوا، ہم جو نگاہ ملائیں گے تو گناہگار ہی ٹھہریں گے ناں۔۔'' ایشاء نے کوئی بات نہیں کی۔۔

''کیا آپ کو اور کوئی کام نہیں' جو یہاں سے ہی جھانکتی رہتی ہیں۔۔'' دائم کو اس لڑکی کے انداز بہت بُرے لگے تھے۔۔

''ہک ہا۔۔ تم کیا جانو صاحب یہاں کھڑے ہم کام ہی تو کرتے ہیں۔۔۔'' دائم اور ایشاء اب کی بار چپ چاپ آگے بڑھ گئے۔

''صبر کرو کچھ نہیں ہو گا ان کو جب کبھی احساس ہوا وہ ضرور تم سے رابطہ کریں گے۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔'' دائم نے ایشاء کو تسلی دینے کی اپنی سی کوشش کی۔

''آپ نے دیکھا ابا نے میری طرف پہلے دیکھا بھی نہیں جو دیکھا تو نفرت کے جو انگارے اُن کی آنکھوں میں لپکتے میں نے دیکھے ہیں بھڑک رہے تھے' مجھے بھسم کر چلے۔۔ میں تو آپ کے کہنے پر اُمید لئے چلی آئی لیکن ابا۔۔ ابا نے۔۔'' ایشاء پھر رونے لگی۔

''اچھا چپ کر جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا پریشان نہ ہوں۔۔'' وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے۔

''کرم علی! تم تو دوسری گاڑی چلاتے تھے' پاپا والی تم فیصل آباد نہیں گئے اس بار بابا کے ساتھ۔'' دائم نے کرم علی سے پوچھا۔

''صاحب میری طبیعت خراب ہے کچھ۔۔ صاحب سرور کو لے گئے ہیں کہ میں یہاں ہی ہوں گا تو تھوڑا بہت آرام بھی کرلوں گا اور ویسے بھی طبیعت ٹھیک نہ ہو تو زیادہ ڈرائیونگ کہاں ہوتی ہے۔۔''

ڈرائیور ساتھ ساتھ بتائے جا رہا تھا۔

''چلیے بہت شکریہ۔لیکن آپ بتاتے' ہم آپکو تکلیف نہ دیتے کسی اور ڈرائیور کو کہہ دیتے۔ ویسے تو میں بھی چلا لیتا ہوں لیکن میں نے سوچا زیادہ رش یا کچے علاقے میں مجھ سے ڈرائیونگ نہیں ہو گی تو تم کو لے آیا۔۔اور اب تم چلو چلتے ہوئے دوائی بھی لیتے جاؤ۔پھر آرام کرنا بلکہ تم چھوڑو میں ڈرائیو کرتا ہوں۔۔''

''نہیں صاحب میں ڈرئیو کرلوں گا،اور دوائی میں نے لے لی ہے بس اب جا کر تھوڑا آرام کرلوں گا۔۔اور یہ بی بی کیوں رو رہی ہیں۔۔خیریت تو ہے۔۔''ڈرائیور نے ساتھ ہی ایشاء کا پوچھ لیا' جو ابھی تک ہچکیاں بھر رہی تھی۔

''یہاں اِدھر محلے میں اس کی پھوپھو رہتی ہیں ملنے گئی تھی ان سے اس کے تایا کی طبیعت زیادہ خراب ہے ناں جو بیرونِ ملک ہیں۔اسی لئے زیادہ اُداس ہے۔۔''

''اچھا اچھا۔۔بی بی اللہ سب بہتر کرے گا' فکر نہ کریں۔۔''

کرم علی نے ان کی سب باتیں سن لی تھیں اب اس کی ذمہ داری تھی یہ سب اطلاعات ایاز خان کو بہم پہنچانا

--

گاڑی دوبارہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ایشاء کا غم کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔واپس آ کر بھی اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر شام تک نہیں نکلی۔

☆×××☆
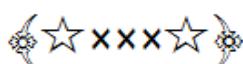
روشن صبح کا ستارہ پہاڑوں کی اوٹ سے طلوع ہوا چاہتا تھا۔اس ماحول میں صبح صبح کے وقت صرف پانی کے بہنے کا شور تھا اور چڑیوں کی چہچہاہٹ رقصاں تھی۔ جامد سے پہاڑ اپنے ہرے ہرے پیرہن میں خاموش تماشائی تھے صحن میں ایک بڑا گھاس کا ٹڈا نکل آیا تھا جو مرغی نے دیکھ لیا تھا اور اپنے

چوزوں کو کٹ کٹ کر کے بُلا لیا تھا اور اب ان کو کھلانے کے لئے مچل رہی تھی ۔ اور اپنے پنجوں اور چونچ سے اس کی درگت بنا رہی تھی اس کی دیکھا دیکھی چوزے بھی ہوشیار ہو گئے تھے پہلے "کریک کریک ۔ ۔" کی آوازیں نکال رہے تھے جیسے کوئی ان کو نقصان پہنچانے آیا ہو وہ اس سے وقتی طور پر ڈر گئے تھے پھر ماں کی شہ پر اس کو چمٹ گئے تھے ۔ ٹڈا اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن اس کی یہ انتھک کوشش رائیگاں ہوتی نظر آ رہی تھی ۔

پلوشہ جاگی ہوئی تھی لیکن ابھی تک لحاف میں گھسی ہوئی تھی ۔ اس کے چہرے پہ خاموشی و اُداسی رقصاں تھی، وہ جانتی تھی کہ اس کے منہ چھپا لینے سے حقیقت نہیں بدلنے والی ۔ لیکن وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی احسن بابا کی طبیعت رات گئے شدید خراب ہو گئی تھی پاس سے ایک طبیب کو بُلایا گیا تھا جس نے چند دوائیاں، جو اس کے پاس موجود تھیں، دی تھیں ۔ اور اَب ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی ۔ لیکن پلوشہ کی تو طبیعت بوجھل تھی، احسن بابا میں اس کی جان تھی ۔ تو اب جو ان کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ کچھ نہ کر سکی فقط پریشان رہی، ساکت رہی ۔ شہریار نے اس کو حوصلہ کرنے کو کہا ۔ گُل جان سکول جا چکا تھا ، شہریار اس سے آخری بار مل چکا تھا اور گل خان نے کہا تھا کہ:

"شہریار بھائی ! میں لاہور کبھی نہیں گیا، زندگی ہوئی اور موقع ملا تو ضرور آؤں گا، دیکھوں گا کہ وہاں کے لوگوں کا رہن سہن کیسا ہے ۔ آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یقیناً اچھے لوگ ہی ہوں گے اور آپ یہاں بھی خوش ہی رہے ہوں گے ۔ میں آپ سے اچھی طرح بات نہ کر سکا آپ کو پتہ ہے کہ میرے پیپرز ہونے کو ہیں تو تیاری میں مگن ہونے کہ وجہ سے آپ کو صحیح وقت نہ دے پایا لیکن میں لاہور ضرور آؤں گا ، میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میں ڈاکٹر بن کر بابا کا علاج کروں گا پھر ان کو طبیب کی یہ کڑوی کسیلی، نیلی پیلی گھریلو دیسی دوائیاں نہیں لینی پڑیں گی میں ایک بار ہی ان کا علاج کر دوں گا ۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے ۔ آپ پلیز دوبارہ آیئے گا اِدھر مجھے آپ کے اخلاق نے بے حد متاثر کیا، جب جب آپ سے بات

کی اپنے بڑے بھائی کی طرح پایا۔اور ہاں بھائی اپنی شادی پر ضرور بھلایئے گا۔میں آپ کی شادی میں شہ بالا بنوں گا۔ مجھے آپ کے واپس جانے کا دُکھ ہے اور جب کسی کو بہت چاہا جائے اور اپنا مانا جائے تو بلاشبہ اس کے جانے سے دل غمگین ہوتا ہے' مجھے بھی ہے میں آپ کو بھلا نہیں پاؤں گا آپ کے آنے سے اماں بابا' خالا خالو خوش ہوئے' ان کے چہرے پر حقیقی خوشی تھی اور آپ گریٹ ہیں' اس بات کا میں اعتراف کرتا ہوں۔''

''ارے بھئی تم تو بہت اچھے ڈبیٹر ہو، مجھے تو پتہ نہ تھا۔۔''شہریار نے متاثرانہ انداز میں کہا۔

''بھائی آپ کو اب پتہ چلا کہ میں بہت اچھا ڈبیٹر ہوں، اسکول میں ہمیشہ فرسٹ پوزیشن میری ہی آتی ہے سپیچ کمپٹیشن میں اور اس کی ساری تیاری پلوشہ آپی کراتی ہیں۔۔'' گُل جان کا سر فخر سے تنا تھا۔

''سلام ہے بھئی تمہاری پلوشہ آپی کو۔۔''شہریار نے پلوشہ کو داد دی۔

یہ باتیں آج شام کو ہی ہوئیں تھیں سب خوش تھے یا شہریار کے جانے سے اُداس تھے۔احسن بابا' گلِ نین بی ذرنین بی' حاکم تایا سب اِدھر موجود تھے پلوشہ کونے میں انگیٹھی میں لکڑیاں بے مقصد ہی آگے پیچھے کیے جا رہی تھی وہ بھی شہریار کی جانے کی بات کو لے کر اُداس تھی سب شہریار کے لئے کوئی نہ کوئی سوغات لئے ہوئے تھے۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں خالہ خالو۔لاہور جائے گا اسے یہ چیزیں وہاں بھی مل جائیں گی یہاں سے یہ بے چارہ سامان لاد کر کیسے جائے گا۔۔''پلوشہ نے ان کو باز رکھا اتنے سامان کو دیکھ کر پلوشہ کو خفقان ہو رہا تھا سامان واقعی بے تحاشہ تھا۔

''ارے چھوڑو۔ہم اچھے سے جانتا ہے چیزیں مل جائیں گی بہت مل جائیں گی لیکن ہم یہ چیزیں جس خلوص سے دے رہے ہیں وہ نہیں ملنے کا ہاں۔۔ یہ بات ہماری یاد رکھنا پلوسہ۔۔''. حاکم تایا نے اپنے لہجے میں محبت سموتے ہوئے کہا۔

''آ ہونی۔تارے خالوٹھیک کیندے نیں۔اساں دل دے نال رے یاں سہر یار پُتر نوں یہ چیزاں دیندے پئے آں۔اے پنجیری حلوہ گڑ کے پراٹھے سب۔اے تاں وہ کھایاں تے اب بھائیاں نووی دیاں۔بھائیں نومینڈا اسلام کینا۔اساں نو بڑا یا دآنداا ے تے تہانوں تکیا تے دل وِچ ٹھڈک پے گئی اے فر چکرلگائیں تہادے واسے اساں اُڈیکساں بہوں۔''ان کی محبت انمول اور کسی بھی قسم کے کھوٹ سے پاک تھی یہ شہر یار کو پتہ تھا اور پھر رات بارہ بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔

سب اپنے اپنے قصے چھیڑے ہوئے تھے پلوشہ ساتھ بیٹھے سن رہی تھی جبکہ گل جان سو چکا تھا۔پھر محفل برخاست ہوئی' رات تین بجے کا وقت تھا جب شہر یار کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور پلوشہ کے رونے نے اس کوحواس باختہ کر دیا تھا وہ دیوانہ وار بستر سے اُٹھا۔احسن بابا کو کوئی سانس کا مسئلہ تھا۔ایک دم ہی ان کا سانس لینا بند ہو گیا تھا شہر یار بھاگتا ہوا باہر نکلا۔گلِ نین بی اطلاع دینے آئی تھیں۔ان کا بھی رو رو کر بُرا حال تھا احسن بابا کی طبیعت واقعی خراب تھی شہر یار کو سخت شرمندگی ہوئی کہ وہ لڑکا ہو کر بوڑھے آدمی کو دوائی کے لئے نہیں لے جا سکتا تھا کیوں کہ وہ یہاں کے راستوں سے لاعلم اور ناواقف تھا۔خیر حاکم تایا اس کے ساتھ چل پڑے۔

حکیم کے پاس فون تو تھا لیکن سگنلز نہ تھے کوئی پندرہ منٹ تک پیدل چلنے کے بعد وہ لوگ حکیم کے دروازے پر تھے حکیم صاحب اچھے تھے فوراً ان کے ساتھ ہو لئے راستہ دشوار گزار تھا پتھر اور جھاڑیاں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ایسے میں جھینگروں اور دوسرے کیڑوں کی آواز ماحول کو پُر اسرار بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھ رہے تھے۔۔تیرویں کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اس لئے راستہ دیکھنے میں آسانی میسر تھی۔

گہری کھائی سے شہر یار کا دل ڈوبتا تھا اور اس علاقے میں بیشتر راستے ایسے ہی تھے وہ ڈر ڈر کر چلتا جبکہ دو بوڑھے اس سے ذیادہ تیز تھے۔ایسے پاؤں اُٹھاتے جیسے یہ راستے ان کو زبانی اَز بر ہوں۔شہر یار

ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا حکیم صاحب نے ایک بوری سی اُٹھائی ہوئی تھی جس میں چیک اَپ کے لئے سامان اور دوائیاں تھیں۔ گل جان بھی جاگ چکا تھا اور احسن بابا کی طبیعت بالکل نہیں سنبھل رہی تھی پلوشہ کا رو رو کر بُرا حال ہو گیا تھا۔ وہ تو شکر ہے حکیم صاحب آئے انہوں نے احسن بابا کی نبض ٹٹولی اور باقی چیک اپ کے بعد کچھ دوائیاں دے گئے فوری طور پر دوائیاں دے دی گئیں۔ جن سے احسن بابا کی طبیعت قدرے سنبھل گئی ذرنین بی اور گل نین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا خود حوصلہ کریں یا پلوشہ اور گل جان کو کو حوصلہ رکھنے کا کہیں۔ خیر دو پانچ گھنٹوں بعد اب احسن بابا کی طبیعت کافی بہتر تھی لیکن ابھی مکمل ری کوری نہیں ہوئی تھی۔ احسن بابا کو پلوشہ لوگوں کے گھر ہی رکھا گیا تھا کیوں کہ ان کا اپنا گھر مزید دور تھا۔

''میں تو کہتا ہوں احسن بابا کو میرے ساتھ لاہور بھیجیں آپ لوگ۔ میں ان کا علاج کرا کر واپس بھیج دوں گا''

''اینجے نہیں ہوندا پُتر۔ پُتر اساں پاڑان دے پلے ہوئے آں۔ اساں نوں کُج نہیں ہوندا اے چھوٹی موٹی مسکلاں تے اساں نوں اللہ دی یاد کراندی ایں اس واسطے ہوندے نیں۔ اساں گُنگار لوک آں' اساں نوں اینداجلد کُج نہیں ہوندا۔ جلندی کُج نیں ہوندے لاگا۔ تہاڈی مہربانی کہ تُو آیاں ایں اساں تینوں بہتیر ایاد کراساں۔۔'' گلِ نین نے شہریار کو بات واضح کی۔ اس بات پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ شہریار ان کے رہن سہن کے انداز سے ہی دیکھ رہا تھا نومبر کے اختتام پر سردی بے شک زیادہ نہ تھی۔ لیکن شہریار کو ضرورت سے زیادہ محسوس کی تھی کہ اس کی ایک پسلی سے ہو کر دوسری سے سرایت کر جاتی۔ لیکن وہاں کے لوگ آرام سے سردی کی پرواہ کئے بغیر۔ کئی تو سویٹروں کے بغیر اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے اور یہ بھی اس نے سنا تھا کہ پہاڑی لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں اور اب جیتی آنکھوں سے اس نے یہ بات دیکھ لی تھی۔

''میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں یہاں مزید کچھ عرصہ رُک جاؤں احسن بابا کی طبیعت سنبھل جائے تو

جاؤں۔۔" شہریار نے گلِ نین اور حاکم تایا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم جاؤ۔۔ ہم احسن بابا کو دیکھ لیں گے، تم اپنا کاروبار شروع کرو۔ تمہاری اپنی بھی تو زندگی ہے ہم سے ملنے کا دل ہوا تو چلے آنا وہ بھی پنا کاروبار شروع کر کے بے فکر ہو کر، ابھی جاؤ" کسی اور کے بولنے سے پہلے پلوشہ جو ابھی تک ان سب کی باتیں پوری توجہ سے سن رہی تھی بول اٹھی۔

"اس تیرا نیں کہیندے میمان اے اساں دا۔ چلا جائے گا اساں تے ایہو کیندے آں تیں اساں نال ہی رہ جائیو۔"

"اماں یہ گھر جائے گا تو اپنا کاروبار شروع کر سکے گا میں ہوں ناں آپ سب کو دیکھنے والی۔ کچھ نہیں ہونے دوں گی احسن بابا کو......اور تم میری باتوں کا بُرا نہ منانا کزن ہوں اسی لئے کہا بے شک جتنی مرضی بار آؤ لیکن اپنی زندگی بھی تو بناؤ......" شہریار پلوشہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں میری کزن بڑی سیانی ہے۔۔" شہریار مسکرایا۔

"نہیں سیانے پن کی بات نہیں، تم جانتے ہو ہمارے ملک میں کتنے لوگ بے روزگار گھوم رہے ہیں کوئی گریجویشن کئے تو کوئی ماسٹرز کئے وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں جبکہ کہیں خالی پوسٹ آ جائے تو وہ بھی دو تین ہی ہوں گی اب اتنے زیادہ بے روزگار اور امانت دار لوگ تین چار پوسٹس پر کیسے آ سکتے ہیں۔ تم اللہ کا شکر ادا کیا کرو کہ نعمان چاچا کے پاس پیسے ہیں اور تم کو بزنس کے لئے دے سکتے ہیں اس لئے اس کو بہتر بنانا اور اپنی زندگی سنوارنا۔ ہمارا وعدہ ہے ہم اکھٹے تمہاری شادی میں آئیں گے۔"

"شادی کی بات کر لی میری بات بھول گئیں۔۔"

"کون سی۔۔؟" پلوشہ انجان بنی یا پھر ذہن میں نہیں رہا۔۔

"یہی بابا کہ تم میرے لئے لڑکی دیکھو گی۔۔" شہریار نے دوبارہ آگاہ کیا۔

"نہیں جناب لڑکی تو آپ خود ہی دیکھیں گے۔ میری پسند آئے گی جناب مآب شہریار نعمان کو۔

‘پلوشہ نے جھٹ سے ہاتھ جھاڑے۔

’’جو تمہاری پسند وہی میری پسند۔۔‘‘شہریار نے تمام امور پلوشہ کے سُپرد کئیے۔

’’اچھا جی۔۔ جو جناب کی مرضی اچھا خالا خالو مجھے اب اِجازت دیں میں چلتا ہوں۔آپ لوگوں کی محبت کا بے حد شکریہ میں تہِ دل سے آپ کا ممنون ہوں۔آپ لوگوں نے مجھ سے بہت محبت روا رکھی میں آپ محبت کبھی نہیں بھولوں گا۔‘‘

’’اچھا اچھا زیادہ باتیں نہیں اور یہ لو۔۔‘‘

’’اچھا اور پلوشہ تمہارا ابھی بہت شکریہ اور گل جان کا شکریہ تو میں نے رات کو ہی ادا کر دیا تھا وہ مجھے سے مل کر گیا ہے کہتا تھا میں بھی خان بابا کے ساتھ چلوں گا آپ کو اسٹاپ تک چھوڑنے۔لیکن میں نے اس کو کہا کہ سکول چلا جائے‘اس کا اسکول بھی تو ضروری ہے۔تو وہ میری سن گیا ورنہ تائی جان کو بہت تنگ کر رہا تھا‘اور ہاں مجھے یاد آیا وہ پینٹنگ کون اپنے پاس رکھے گا آپ کو عظیم شاہکار۔۔‘‘شہریار کو آخری موقع پر یاد آیا۔

’’میں بھی اور تم بھی۔۔‘‘

’’وہ کیسے۔۔‘‘

’’وہ تمہاری پورٹریٹ ہے اس لئے تمہارے پاس تو لازمی ہونی چاہیئے اور میں نے بنائی تو میرا بھی حق بنتا ہے اس پر تو سوچا دونوں ہی رکھ لیتے ہیں۔‘‘پلوشہ نے سسپنس کری ایٹ کیا۔

’’یہ بھی تو بتاؤ کیسے۔۔‘‘شہریار بے چین تھا۔

’’بتاتی ہوں تم بس دیکھتے جاؤ۔‘‘

اور پھر کچھ دیر بعد شہریار گھر سے نکل پڑا۔باہر گاڑی کی آواز رہی تھی‘ خان بابا گاڑی لے آئے تھے ۔شہریار باری باری سب سے مل رہا تھا احسن بابا سے مل چکا تھا اور اُن کو تسلی بھی دی تھی‘انہوں نے شہریار کو

بہت سی دُعاؤں سے نوازا تھا' سب کی مل کر شہر یار سے آنکھیں نم تھیں۔ اُداس ویران کسی اپنے کی جُدائی کا وقت آئے تو کچھ ایسا سماں بندھ ہی جاتا ہے۔ آسماں و پرندے اس جُدائی پر اشک بہا تے' الم میں تھے۔ کریم چاچا نے شہر یار کو ہزار کا نوٹ دیا اور گلے سے لگا لیا۔

''چاچا کیوں شرمندہ کرتے ہیں میں آپا کا بیٹا ہوں آپ کو یہ پیسے مجھے نہیں دینے چاہیں۔ میں آپ سے یہ پیسے نہیں لے سکتا۔۔'' شہر یار سخت شرمندہ ہوا۔

''بیٹا اینجوں نیں کریندا اے تے اساں تے رواج اے میمان کو رُخصت کرتے ویلے میمان نوں پکڑاندے آں۔ تو رکھ لے اساں خوسی نال دیندے آں۔۔'' سب کے اصرار پر شہر یار کو پیسے رکھنے پڑے۔ لیکن ابھی بھی اس کا دل مطمئن نہیں ہوا تھا اس نے یہ پیسے اپنے پر خرچ نہیں کرنے تھے اِن کے لئے ان میں مزید پیسے ڈال کر کوئی چیز بجھوا دے گا ان کے لئے خان بابا' پلوشہ' شہر یار اور زرنین نے سامان اُٹھایا۔ اب جُدائی کے لمحے قریب تھے وہ ملنے کے لئے پلوشہ کی طرف بڑھا۔

''میں تم کو بہت یاد کروں گا اور یقیناً میں بھی تم کو بہت یاد آؤں گا۔''

''تم بھول گے کب جو میں یاد کرنے کے بہانے ڈھونڈوں گی۔'' پلوشہ نے جھکی جھکی نظر سے کہا تھا ،اس کی آنکھیں نم تھیں۔ شہر یار کے دل میں اُتر گئی۔

''شہر یار گاڑی میں سوار ہو گیا۔'' ٹھیک ہے آپ لوگوں کا بہت شکریہ اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔ اور گاڑی چل پڑی سب ہاتھ ہلاتے گئے ،ان اپنوں' ان پہاڑوں' ان ندی نالوں' جھیلوں' گلابوں اور دیو قامت اشجار سے وہ واپس دور اپنے گھر کو جا رہا تھا۔ لیکن اسے لگتا تھا جیسے کہ وہ ان پہاڑوں میں ہی کچھ گنوا بیٹھا ہو۔ جو گلابوں کے کانٹوں سے ہی الجھ کر رہ گیا ہو۔ کسی گہری کھائی میں جا گرا ہو۔ ان لوگوں نے اس پہ جادو کر کے اس سے چھین لیا تھا ندیوں' آبشاروں کے خوبصورت پانی نے اپنے تیز دھاورں میں شامل کر لیا ہو وہ آہستہ آہستہ دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پہاڑ وہ رہے تھے تتلیاں سردی سے کانپ رہی تھیں تو

دوسری طرف کسی کے جانے سے اُداس بیٹھی تھیں۔ شہریاران پہاڑوں سے دور ہو گیا تھا اور پلوشہ کا ایک جملہ اس کی زبان پر گردش کیے جا رہا تھا۔

''تم بھولو گے کب جو میں یاد کرنے کے بہانے ڈھونڈوں گی۔'' اور شہریار نے اس میں اپنے لئے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

افسانہ۔ ☆انتظار☆

ازقلم: شاہ رخ نذیر۔

دریائے ٹیمز کے پانی میں ڈوبتے سورج کا عکس دیکھنا مجھے بہت پسند تھا۔وہ دریائے ٹیمز جو کاٹس والڈ کے پہاڑوں کی گود سے نکلتا ہوالندن کی باہوں میں جھومتا ہے۔جس نے اپنے سر پر پانچ تاج سجائے ہوئے ہیں اور انہی میں سے ایک تاج ویسٹ منسٹر پل ہے،میں ہر شام سورج کے ڈوبنے سے پہلے وہاں پہنچ جاتی تھی۔ مجھے وہاں جاتے ہوئے ایک عرصے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔اب تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ اس دریا کا پانی ،یہاں چلنے والی نرم ہوا،یہاں اڑان بھرنے والے پرندے اور یہاں کے اجنبی لوگ بھی مجھے پہچاننے لگے ہیں۔ویسٹ منسٹر پل پر آنے کی وجہ صرف شام کا منظر اور دریائے ٹیمز نہیں بلکہ وہ دو سنہری آنکھیں بھی تھیں،دو سنہری آنکھیں جو دریائے ٹیمز پر ڈوبتے سورج کی طرح چمکدار تھیں۔میں جب بھی ویسٹ منسٹر پر پہنچتی وہ دو آنکھیں وہاں موجود ہوتیں ان آنکھوں میں نا جانے ایسا کیا تھا کہ جنھیں دیکھ کر میں ہر چیز سے بیگانی ہو جاتی۔۔۔نہیں نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں وہ دو آنکھیں کسی مرد کی نہیں بلکہ وہ ایک ضعیف عورت کی تھیں۔وہ آنکھیں مس تلسی کی تھیں۔گوری رنگت ،سنہری آنکھیں،ہم رنگ بال۔۔۔وہ یقیناً جوانی میں بھی بہت خوبصورت رہی ہوں گی،سیاہ یا پھر نیلے رنگ کا آوور کوٹ ،سنہرے بالوں کا جوڑا باندھے اور سر پر ترچھا ہیٹ رکھے وہ بہت باوقار لگتی تھیں۔ شروعات میں،میں چپکے چپکے انھیں دیکھتی ،مگر جس دن میری یہ چوری پکڑی گئی اس دن سے ہمارے درمیان relationshipweaving قائم ہو گیا۔میں وہاں جاتی ،انھیں دیکھ کر مسکراتی اور ہاتھ ہلاتی تو وہ بھی جواباً ایسا ہی کرتیں تھیں،صرف ایک مسکراہٹ سے ہمارے درمیان ایک انجانا سا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔۔۔ایک روز میں کھڑی پانی کی ہلچل کو دیکھ رہی تھی کہ جب مجھے اپنے کندھے پر کسی کا لمس

محسوس ہوا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہی تھیں، سنہری آنکھوں والی خاتون۔۔۔میں انھیں دیکھ کر مسکرائی تھی، مجھے حیرت بھی ہوئی کہ وہ خود میرے پاس چلی آئیں تھی، رسمی علیک سلیک کے بعد انھوں نے میرا نام پوچھا تھا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟"

"ہادیہ"

"آپ کا نام؟"

"میں مس تلسی مارگریٹ ہوں" تلسی مارگریٹ۔۔۔۔مجھے حیرت ہوئی وہ دیکھنے میں انگریز لگتی تھیں مگر نام تلسی؟؟؟ اور ساتھ ہی مارگریٹ۔۔۔عجب پہیلی تھی یہ بھی، خیر میں نے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

"ہندوستانی ہو تم؟" مجھے ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا کیونکہ اب کی بار سوال انھوں نے اردو میں کیا تھا۔ مجھے بہت خوشی بھی ہوئی کیونکہ پرائے ملک میں اگر کوئی اپنی زبان بولنے والا مل جائے تو اس سے اچھا اور کیا ہوسکتا ہے،

"نہیں میں پاکستانی ہوں" یہ ہماری پہلی ملاقات تھی اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوگیا، میں اب جب بھی وہاں جاتی ہم دونوں مل کر خوب باتیں کرتے، میں انھیں اپنے بارے میں بتاتی اور وہ مجھے اپنے گھر اور خاندان کے بارے میں بتاتی رہتیں۔

"میں ایک ہفتے بعد جا رہی ہوں" ایک دن میں نے انھیں بتایا تھا۔

" کہاں؟" ان کی لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"پاکستان۔۔۔میری شادی ہے اگلے مہینے" ان کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے یوں لگا کہ وہ کسی اپنے کے دور جانے پر اداس ہو رہی ہیں، مگر پھر وہ ساری اداسی بھلاتے ہوئے مسکرائیں۔

"تم لال جوڑا پہنو گی نا؟"

"اس کے ساتھ بندی بھی لگانا، اور وہ کیا ہوتا ہے جو تم لوگ ہاتھوں پر لگاتے ہو؟"

"مہندی" میں نے جواب دیا۔

"ہاں مہندی بھی لگانا اور خوب تیار ہونا، بالوں میں پھول بھی سجانا" وہ کہتے کہتے اچانک ہی کسی خواب میں چلی گئیں۔

"اسے بھی یہ سب بہت پسند تھا۔۔۔لال جوڑا، ماتھے پر بندی، ہاتھ میں مہندی اور بالوں میں پھول۔۔۔۔ یہ سب کچھ۔۔۔۔ ہاں اسے بھی یہ سب بہت پسند تھا" بولتے بولتے ان سنہری آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ پھر وہ خاموشی سی پلٹیں اور وہاں سے چلی گئیں، مجھے آج وہ بہت عجیب سی لگیں تھیں یہ وہ تلسی نہیں تھیں جنھیں میں ایک عرصے سے جانتی تھی، یہ تو کوئی اور ہی تھیں۔۔۔ مگر کون؟؟؟ مجھے لگا میں نے ان کے اندر کسی طوفان کو چھیڑ دیا ہے، کچھ تو تھا جسے اپنے اندر چھپائے وہ وہاں سے چلی گئیں، میرا دل چاہا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور پوچھوں مگر مجھے یہ مناسب نہ لگا، میں بھی وہاں کچھ دیر رکی اور پھر واپس لوٹ گئی۔ اگلے دن میں ویسٹ منسٹر پل پر پہنچی ہ تو وہ وہاں نہیں تھیں اور اس کے اگلے دو دن بھی مجھے وہ وہاں نہیں ملیں، مجھے ان کے لیے فکر ہونے لگی، اتنے عرصے میں کوئی دن ایسا نہیں تھا کہ جب وہ وہاں نہ آئی ہوں، مگر اب تین دن ہونے والے تھے کہ وہ وہاں نہیں آئی تھیں، اگلے دن میں نے ان کے گھر جانے کا سوچا، ایک دفعہ باتوں باتوں میں انھوں نے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتایا تھا اور حافظہ اچھا ہونے کی وجہ سے مجھے ایڈریس یاد تھا۔ میں اگلے دن ان کے گھر پہنچی تو وہ گھر پر موجود نہیں تھیں، ان کے پڑوس سے پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، میں ان سے ملنے ہاسپٹل چلی آئی، جب میں وارڈ میں پہنچی تو وہ آنکھیں موندے بیڈ پر لیٹی تھیں، میرے قدموں کی چاپ پر انھوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

"ہادیہ تم؟" میں قدم قدم چلتی ہوئی ان کے بیڈ کے قریب رکی اا ور پاس رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی، یہاں میری شادی ہونے والی ہے اور آپ بیمار ہو کر ہاسپٹل آ گئیں۔۔۔دیکھیں میں پہلے ہی بتا رہی ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں گی"

فلحال کیا تم مجھے باہر لے جا سکتی ہو؟ میں دو دن سے یہاں ہوں اور بہت بور ہو رہی ہوں" انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں ڈاکٹر سے پرمیشن لے کر انھیں ہاسپٹل کے گارڈن میں لے آئی، میں ویل چیئر کو پکڑے انھیں گارڈن میں گھما رہی تھی جب بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہمم۔۔۔۔پوچھو"

"آپ کا نام تلسی مارگریٹ۔۔۔۔۔

میرا مطلب۔۔۔میں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اسے تلسی نام بہت پسند تھا"

"کسے؟"

"موہن کو" ویل چیئر کے ہینڈل پر میری گرفت کمزور پڑ گئی اور میں ویل چیئر کو روکتے ہوئے ان کے سامنے آ بیٹھی۔

"موہن میری محبت۔۔۔۔۔میری آخری محبت۔۔۔۔وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔اور میں آج بھی اس سے بہت پیار کرتی ہوں، ہم پہلی بار رویسٹ منسٹر پل پر ملے تھے، اسے مجھ سے کب محبت ہوئی مجھے نہیں معلوم، مگر مجھے اس سے پہلی نظر میں عشق ہو گیا تھا۔۔۔لاعلاج عشق۔۔۔ہم روز وہاں ملتے باتیں کرتے، باہوں میں باہیں ڈالے دور تک چلتے جاتے، جب چلتے چلتے میں اس کے کندھے پر سر رکھ دیتی تو وہ مجھے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیتا۔ میں ٹیمز کو دیکھتی وہ میری آنکھوں کو دیکھتا۔ کہتا تھا" مجھے تمھاری آنکھیں بہت پسند ہیں، یہ ٹیمز تو کیا دنیا کے کسی بھی سمندر سے گہری ہیں" میں اس کی بات سن کر

شرماتی اوراسی کے سینے میں...... چھپ جاتی۔ وہ انگلی سے میری تھوڑی کو ذرا سا اونچا کرتا اور کہتا "میں چاہتا ہوں یہ آنکھیں صرف مجھے دیکھیں" مجھے اس کا یہ کہنا بہت پسند تھا۔ میری آنکھیں سچ میں صرف اسے ہی دیکھنا چاہتی تھیں، اور پھر ایک روز دریائے ٹیمز کو گواہ رکھ کر اس نے مجھ سے شادی کے مقدس رشتے میں باندھنے کا وعدہ کیا۔ دو دن بعد میں چرچ میں اس کی پسند کا لال جوڑا، چوڑیاں، پھول بندی، وہ سب کچھ سجائے بیٹھی تھی جو اسے پسند تھا، کتنی دیر گزر وہ نہیں آیا مگر کچھ دیر بعد اس کی کال آئی "سوری لیزا میں تم سے شادی نہیں کر سکتا" بس یہ ایک جملہ اس نے کہا اور کال کاٹ دی، مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا، اس نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مغرب کی عورت پاکباز نہیں ہوتی، اسے میں بھی پاک نہیں لگی اس لیے وہ مجھے چھوڑ گیا، وہ ہندوستانی تھا، مشرقی مرد۔۔۔۔ مشرقی مرد عورت کے گناہ معاف نہیں کرتے، اس نے مغرب کی دوسری عورتوں کے گناہ کی سزا مجھے دی۔ وہ چلا گیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ پھر نہ آنے کے لیے۔ میں تب سے دریائے ٹیمز کے پاس ہر روز آتی ہوں اور آتی رہوں گی کہ شاید وہ ایک بار پھر سے لوٹ آئے۔۔۔ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد تھا، میرے لیے محبت کا دوسرا نام موہن ہے۔ میری یہ سنہری آنکھیں آج بھی صرف اسے ہی دیکھنا چاہتی ہیں اور ہر روز اس کے انتظار میں دریائے ٹیمز پر جاتی ہیں کہ شاید آج وہ چلا آئے۔

ہم اسی دریائے ٹیمز پر ملے تھے، اسی دریائے ٹیمز پر محبت کا اظہار ہوا اور اسی دریائے ٹیمز پر وہ مجھے اکیلا چھوڑ گیا"

"اسے تلسی نام بہت پسند تھا، کہتا تھا شادی کے بعد تمھیں تلسی کہہ کر بلاؤں گا، مگر کبھی وہ موقع آیا ہی نہیں۔ تب سے میں لیزا مارگریٹ، تلسی مارگریٹ بن گئی، وہ تلسی جو مشرق سے آئے موہن کی دیوانی ہے اور مرتے دم تک رہے گی" ان کا چہرا آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، مجھے سمجھ نہیں آیا کہ اس وقت ان کی تسلی کے لیے کیسے الفاظ ادا کروں کہ ان کے دل کے سارے زخم بھر جائیں، میں انھیں وارڈ میں چھوڑ کر چلی آئی،

دو دن بعد میری واپسی تھی ،اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد میں دریائے ٹیمز اور ویسٹ منسٹر پل کو الوداع کہنے چلی آئی ،وہاں پہنچ کر میں نے مس تلسی کو بھی وہاں موجود پایا۔آج بھی وہ ویسے ہی مسکرا رہی تھیں، کوئی غم ان کے چہرے پر نہیں تھا۔

"تم جا رہی ہو"

"جی"

"پھر کبھی واپس آؤ گی؟"ان کی آنکھوں میں امید تھی ۔میں اس امید کو توڑنا نہیں چاہتی تھی پر جھوٹا وعدہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اسلیے خاموش رہی۔

"یہ لو۔۔۔۔یہ اپنی شادی پر پہننا"انھوں نے لال رنگ کا خوبصورت جوڑا میری طرف بڑھا دیا۔۔میں بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی۔

"آپ مجھے بہت یاد آئیں گی"میری آنکھیں نم تھیں،انھوں نے میرا ماتھا چومتے ہوئے میری آنکھیں صاف کیں اور دھیرے سے بولیں۔

"میں بھی تمھیں بہت مس کروں گی" کچھ دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد میں وہاں سے چلی آئی۔آج وہ سنہری آنکھیں بہت اداس تھیں،وہ لال جوڑا انھوں نے مجھے دعاؤں کے ساتھ دیا تھا،وہ سنہری آنکھیں آج بھی اس پل پر اپنے محبوب کو ڈھونڈتی ہوں گی،مجھے یقین ہے وہ اب بھی وہاں آتی ہوں گی کیونکہ محبت اب بھی زندہ ہے اور انتظار اب بھی باقی ہے۔

☆☆☆

افسانہ ☆حد ہے☆

تحریر: ساریہ چوہدری

ہر اک کے لئے کھلا نہ رکھا اسے قتیل

یہ دل اک گھر ہے اسے بازار مت بنا

سائنس کہتی ہے دل کے چار خانے ہوتے ہیں۔ اگر غور کریں تو اللہ تعالی اور پیارے نبی ﷺ کے نام کے حروف بھی چار چار ہیں، ایسا نہیں لگتا کہ دلوں کا سکون جسے ہر کوئی ڈھونڈتا پھرتا ہے اللہ کے ذکر میں ہے تبھی تو وہ ہر انسان کے دل میں بستا ہے.......... آپ جو چاہیں جتن کریں سکون رب کی ذات میں ملتا ہے یہ دل ہی ہے جو سب پہ حکمرانی کرر ہا ہے۔ ہر احساس کا تعلق دل سے ہے آپ خود دیکھیں جسم کا کوئی بھی عضو بیمار ہو خراب ہو بندہ جی لیتا ہے حتی کہ کٹ جائے تب بھی مگر جب دل کو مسئلہ ہوتا تو پوری ہستی چپ ہو جاتی ہے تمام واسطے تعلق رابطے احساسات قاعدے دل کے ساتھ ہیں کیا خوب لکھا سلطان باھو نے بھی ؛

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ھو

وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونج موھانے ھو

چوداں طبقاں دلے دے اندر جتھے عشق تمبو ونج تانے ھو

جو دل دا محرم ھووے باھو سوئی رب پچھانے ھو

اووووہو.......... یار آخر یہ وفا کون ہے کدھر ہے مجھے اک بار ملنا ہے اس سے بات کرنی ہے..... کیا کمال کا لکھتی ہے یار ہر آرٹیکل اسکا قرآنی آیات سے شروع ہوتا اور یوں وہ اک مسئلے کو بڑے آرام سے دین سے ملا کے حل ڈھونڈ نکالتی ہے.............. ویری

ایمپریسیو ریئلی ....آرٹیکل پڑھ کے اسنے سائیڈ پہ رکھا اور طلال سے ڈسکس کرنے لگی تھی ....جو چیئر کی پشت سے سر ٹکائے نجانے کن سوچوں میں ....اسکی بات پہ سیدھا ہوا تھا۔

ہاں میں نے بھی پڑھا ہے دل کافی الجھا ہوا تھا چین مل گیا..........طلال نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا ......ردا اسکے سنجیدہ پن پہ پل بھر کو چونکی تھی پھر سر جھٹک دیا تھا۔

یار پتہ کرو نا آخر کون ہے کوئی تو اتہ پتہ ہوگا نا ....مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں اس سے..........ردا بے صبری ہوئے جا رہی تھی ....طلال ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

جناب آپ بھی جانتی ہو ہمارے پاس اسکا بس ایمیل ایڈریس ہے جس سے میل کرتی ہے اور کوئی اتہ پتہ نہیں نہ وہ کسی میل کا جواب دیتی ہے جو کچھ علم ہوا اسکے متعلق تو کہاں ڈھونڈوں؟ حالانکہ کچھ سوال مجھے بھی کرنے ہیں اس سے اب تو اور بھی ضروری ہو گیا پوچھنا................آخر پہ وہ پھر سنجیدہ ہو گیا تھا

سچ میں میرا جی چاہتا اسکو سلیوٹ کروں ہر بار ہر پریشانی سے مجھے یوں نکالتی ہے جیسے سامنے دیکھ رہی ہو کہ میں مشکل میں ہوں ....آفریں یار ایسی پاکیزہ اور پیاری سوچ اور سلام اس ماں کو بہن بھائی کو جنکی وہ بہن بیٹی ہے جنہوں نے اسے اتنی پیاری سوچ دی اور قابل رشک وہ بندہ جسکی ہمسفر ہو گی...........ردا کچھ زیادہ ہی اسکی دیوانی لگ رہی تھی......

اور اگر وہ لڑکی نہ ہوئی؟ کوئی مرد ہوا تو؟؟؟ طلال نقطہ اٹھایا تھا.................

تو.....تو میں اس سے شادی کرلوں گی..........ردا کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا تھا۔

طلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

میں سچ کہہ رہی ہوں..........تم کیوں ہنس رہے ہو؟ ردا غصے ہوئی تھی................ردا غصے ہوئی تھی

اگر وہ آل ریڈی میریڈ ہوا تو؟ کیونکہ یوزلیس چیزیں تو تم استعمال نہیں کرتی پھر؟ طلال پھر چھیڑا تھا

اس بندے واسطے سب منظور ہے بس ملے تو..........ردا حسرت بھری آہ نکالی تھی

تو میں کس جگہ ہوں پھر؟ طلال اسکی بات پہ حیران ہوا تھا۔

تمہاری جگہ وہی ہے جہاں تمھارے اندر میری جگہ..........وہ عجیب انداز میں مسکرائی تھی طلال پہلو بدل کے رہ گیا تھا۔

تم جانتی ہو اس سب میں میرا کہیں قصور نہیں ہے میں بے حد مجبور ہو گیا ہوں تم خود بتاؤ یار اماں بستر سے لگی پڑی ہیں خود اٹھ کر وہ بیٹھ نہیں سکتی اور میں سارا دن آفس نہ دیکھوں تو کام کا حرج ،کام دیکھوں تو ماں کی فکر..............تم جانتی ہو اماں نے مجھے کتنی مشکل سے پال پوس کے ،پڑھا لکھا کے یہاں تک پہنچایا ہے۔بہت دکھ سہے انہوں نے مجھے اچھی زندگی دینے کے لیئے ....آج میری ماں میری جنت کھو رہی ہے تو میں میں محبت کا رونا لے کر بیٹھ جاتا ؟ طلال کے سوال پہ وہ چپ رہی تھی

اور میں نے تمہی سے پہلے پوچھا تھا اور بولا بھی تھا شادی کر لو مگر تم نے ہی کہا تمھارے گھر والے یوں نہیں مانیں گے اتنی جلدی ....تو پھر بتاؤ کون کہاں اور کتنا قصوروار ہوا؟ طلال کو اسکی خاموشی پہ تاؤ آنے لگا تھا۔

تم ملازم بھی تو رکھ سکتے تھے نا کوئی شادی ضروری تو نہیں تھی؟ اور تم بھی جانتے ہو مجھے میرے مما ڈیڈی نے اتنا پڑھایا لکھایا ہے تو گھر سنبھالنے کے لیئے نہیں نہ ھمارا اسٹیٹس ایسا ہے کہ بہو بن کے گھرداری کرتے پھریں ساس سسر کی خدمتیں یہ سب لوئر مڈل کلاس لوگوں کی زندگی میں ہوتا ہمارے ہاں نہیں ......ردا گردن اکڑا کے فخر سے بولی تھی ...... طلال چپ چاپ اسے دیکھتا رہ گیا تھا

یہ محبت تو نہ ہوئی پھر ردا..............محبت تو قربانی مانگتی ہے اور کچھ پانے کے لیئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے نا ؟ وہ ٹوٹ رہا تھا شاید...............

اگر میں نہیں دے سکی قربانی تو محبت تو تمہیں بھی تھی تم ہی دے دیتے..........وہ آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر نو لی تھی ۔

ھمم اور اماں کو ملازموں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیتا اور خود زندگی انجوائے کرتا ؟ وہ دکھ سے بولا تھا

یار یہاں لاکھوں اولڈ ھوم ہیں ٹرسٹ سنٹر ہیں وہ ہم سے اچھی دیکھ بھال کرتے ہیں بزرگوں کی اور بنے بھی تو ہمارے لئے ہیں نا ؟ ردا نے پھر سے دلیل دی تھی اب کی بات تو طلال اٹھ کھڑا ہوا تھا ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا..................

بس کافی ہے اتنا کافی ہے مجھے محبت کا جواب مل گیا.................ویل بائے کافی دیر ہو گئی ہے میں چلتا ہوں......وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آفس سے نکل گیا تھا ردا سوچوں میں ڈوب گئی تھی.................ردا اور طلال دونوں یونیورسٹی فیلو تھے دونوں نے ماس کمیونیکشن میں ایم ایس کی تھی اور پھر طلال کے بابا کا نیوز پیپر آفس سنبھال لیا تھا جو انکی وفات کے بعد سے بند پڑا تھا دونوں شادی کرنا چاہتے تھے مگر اچانک طلال کی اماں کو فالج کا اٹیک ہوا تو وہ بستر کی ہو کر رہ گئی طلال انکی دیکھ بھال خود کرتا تھا اور.................. اور وہ انکو ملازموں کے اوپر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اسنے ردا کو سارے حالات بتائے اور شادی کا بولا تو ردا صاف منکر ہو گئی تھی وہ آزاد لڑکی تھی ایسے ہی کوئی بلا گلے نہیں ڈالنا چاہتی تھی سو طلال کو مجبوراً پھوپھو کے کہنے پر انکے دیور کی بیٹی سے شادی کرنی پڑی....................پھوپھو اسے بتایا تھا زمن بہت سلجھی ہوئی اور ایجوکیٹیڈ لڑکی ہے................مگر اسے کیا مطلب تھا زمن سے وہ پہلے دن ہی لا کر اسے بتا چکا تھا شادی اماّں کی دیکھ بھال کے لیئے کی ہے یہی ہمارا رشتہ ہے...........اور امید مت رکھنا............وہ بھی ایسی فرمانبردار نکلی پلٹ کے سوال تک نہ کرتی تھی ہر کام وقت پہ ہوتا تھا اماں کی ہر ضرورت کا وہ خیال رکھتی انکا ہر کام وہ بہت ایمانداری اور دل سے کرتی تھی اپنی ماں سمجھ کے تبھی وہ بہتری کی طرف آنے لگیں تھیں مگر آج ردا کی باتیں سن کے طلال کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا سو چپ چاپ گھر آ گیا تھا ۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی ڈرائینگ روم میں داخل ہوا تھا اسنے زمن کو کاپی پنسل لیئے کچھ لکھتے دیکھا تھا مگر اسکے پاس آتے ہی وہ کاغذ سمیٹ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

کھانا کھائیں گے یا چائے لے آؤں؟؟؟ زمن نے رک کر پوچھا تھا

کھانا کھاؤں گا، میں پہلے ذرا فریش ہو جاؤں پھر..........آج اسکے لہجے میں قدرے نرمی تھی زمن کو وہ کچھ الجھا الجھا سا لگا تھا مگر زمن نے

کوئی سوال نہیں کیا تھا سر اثبات میں ہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد زمن کھانا لگا چکی تھی۔

طلال کے کھانا ختم کر لینے پہ زمن برتن سمیٹنے لگی تھی جبکہ طلال سیل پہ میل دیکھنے لگا تھا ساتھ کچھ ہولے ہولے گنگنا بھی رہا تھا۔۔۔۔

ربا میرے حال دا محرم تو.....................زمن چائے رکھتے ہوئے سنا تھا۔

جو ملیا سو غرضی ملیا

دل دا محرم کوئی نہ ملیا

بے اِختیار زمن کی زبان سے پھسلا، طلال نے چونک کر اسے دیکھا تھا

واہ آپکے منہ میں بھی زبان ہے؟ میں تو سمجھا تھا گونگی ہیں ....نجانے طنز تھا یا تعریف

......جواب زمن کے پاس بھی بے حساب تھے مگر اسنے کبھی بحث نہیں کی تھی بلکہ سرے سے وہ بولتی نہیں تھی اس وقت بھی وہ چپ رہی تھی۔

ادھر آو بیٹھو مجھے کچھ بات کرنی ہیں ....طلال اسکی مسلسل خاموشی پر ذرا غصے سے بولا تھا وہ خاموشی سے آ کر اسکے سامنے بیٹھ گئی تھی

میں نے پہلے دن ہی تم پہ واضح کر دیا تھا یہ سب مجبوری میں ہوا میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں..........اور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

مجبور بھی میں اماں کی بیماری کی وجہ سے ہو گیا تھا اب جبکہ اماں بہتر ہو چکی ہیں خود سے چل پھر سکتی ہیں۔
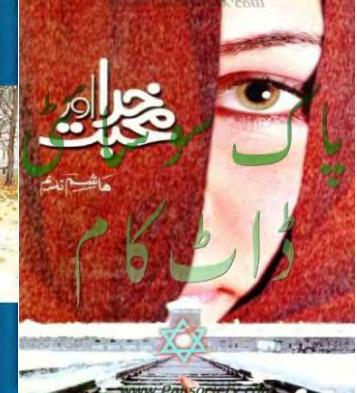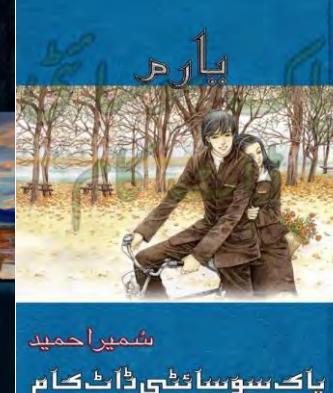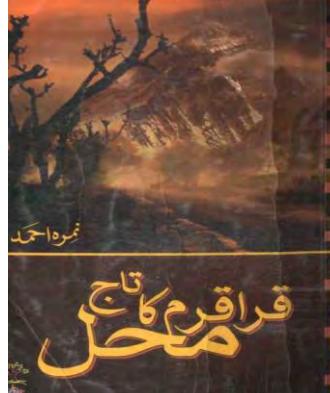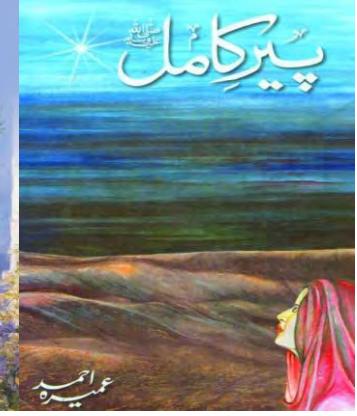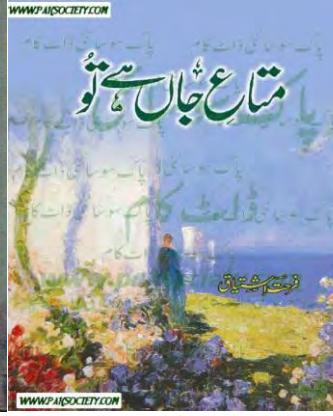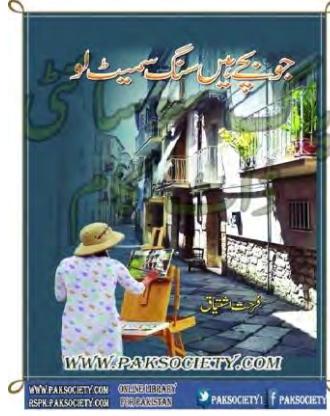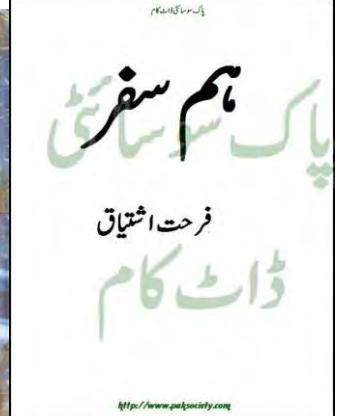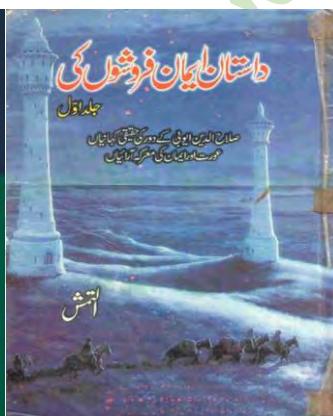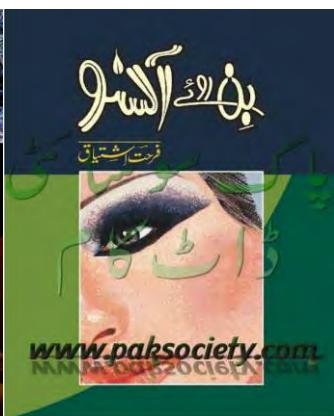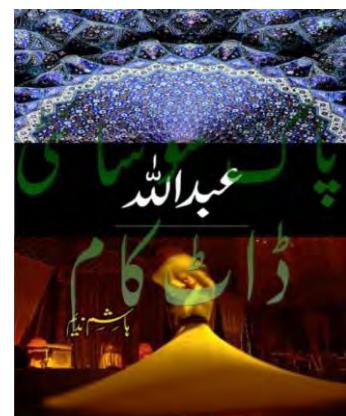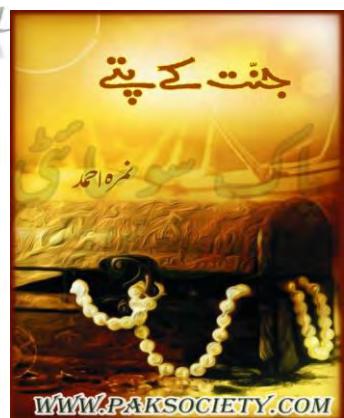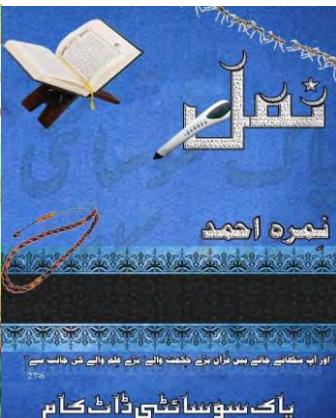
ماشاءاللہ سے صحت بھی اچھی ہو رہی ہے تو...........ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیئے...............طلال نے بات کرتے کرتے رک کر آخری بات کچھ جھجک کر کی تھی زمن ساکت سی اسے تکنے لگی تھی اسکے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ طلال اس حد تک جائے گا اسنے تو سوچا تھا، جیسے ناولوں میں کہانیوں میں ہیرو ہیروئن کے درمیان لڑائی جھگڑا رہتا ویسا ہوگا اور میں طلال کو ہیروئن بن کے اپنے پیار فرمانبرداری اور خدمتوں سے اپنا بنالوں گی مگر یہاں تو کہانیوں جیسا کچھ نہیں ہوا تھا ہر کام کیا تھا والدین سے بڑھ کر خدمت کی تھی اس گھر کو اپنا سمجھ کر کونہ کونہ سنوارہ اور سجایا تھا اور صلہ.....وہ اپنے ہی سوالوں میں الجھ بیٹھی تھی

میں تم سے مخاطب ہوں بی بی......................طلال اسکی خاموشی پر تپ کر چیخا تھا

زمن غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی تھی

اففف کہاں سے جاہل پلے باندھ دی پھوپھو نے بھی...............وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا مگر زمن سن چکی تھی بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

اپنی تیاری کر لینا میں پیپر تیار کروالوں تو چھوڑ آؤں گا وہ بے دردی سے بولا تھا۔۔۔کمال ضبط تھا وہ پھر بھی چپ تھی۔

اور ہاں اک بات اور گاؤں جا کر یہ نہیں کہنا کہ مجھے تم پسند نہیں تھی میں کسی اور کو پسند کرتا تھا وغیرہ وغیرہ..........طلال کے حکم پہ اک اور بم پھٹا تھا زمن پہ...............طلال یہ کیا کہہ رہا تھا کیا کوئی اتنا ظالم ہو سکتا ہے؟

آ گئی نا سمجھ.....................؟؟؟ وہ چپ پہ پھر چیخا تھا

تو؟۔۔۔پھر کیا کہوں گی؟؟؟؟ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی

یہ تمہارا مسئلہ ہے کیا کہنا ہے اور کیا ریزن دینی ہے.....................وہ لاپروائی سے بولا تھا اور اٹھ کر

کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا زمن ساکت نظروں سے اسے تکتی رہ گئی تھی

کیا کوئی اتنا بھی بے حس ہو سکتا ہے اتنا خودغرض اتنا ظالم......................وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور خود کو بغور دیکھنے لگی تھی

کیا نہیں ہے مجھ میں؟ کس چیز کی کمی ہے؟ یا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہوگی؟ اے اللہ کیا میری ہر نیکی ہر اچھائی کا صلہ یہی ہے؟ تو گواہ ہے میرے مولا میں آج تک کسی کا برا نہیں سوچا کسی کے حق میں بری نہیں ہوئی پھر یہ کس بات کی سزا ہے؟؟؟ وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی او میرے مولا میں کیا جواب دوں گی گھر والوں کو؟ کون سنے گا میری؟ میں دنیا والوں کو کیا کیا کہوں گی کیا برائی تھی کہاں کمی تھی مجھ میں ؟؟؟ وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا الجھ رہی تھی وہ گاؤں کی رہنے والی تھی اور گاؤں میں تو لوگ ذرا سی بات کا پتنگڑ بنا لیتے ہیں رائی کا پہاڑ بن جاتا ہے وہاں قصوروار جتنا بھی مرد ہو مگر الزام عورت پہ دھرا جاتا ہے اور زمن عباسی سے تو پورے گاؤں کو خدا واسطے کا بیر تھا کیونکہ وہ عورتوں کے حق کے لیئے لڑتی تھی جہاں سب چپ ہو جاتے تھے برائی کے خلاف وہاں زمن عباسی بولتی تھی اسنے گاؤں کے جاہلانا رسم و رواج ختم کرنے کے لیئے کئی آرٹیکل بھی لکھے جنکی وجہ سے اسکا نام کافی دور تک پہنچا تھا اور کئی این جی اوز کے کارکن گاؤں گئے تھے اسے ملنے ....اس بات پہ پورا گاؤں اسکے خلاف تھا اور اسکے گھر والے بجائے اسکا ساتھ دینے کے اس پہ پابندیاں لگانی شروع کر دی کاغذ قلم چھین لیا گیا تھا اور آنا فانا اسکی شادی کر دی تھی ....اسنے تو طلال کے رویے پہ بھی شکوہ نہیں کیا تھا مطمئین تھی وہ کہ اک دن طلال کو اپنی محبت اور خلوص سے جیت لے گی مگر............

اففففف خدایا.................................

اے میرے مولا میری مدد فرما بے شک تو جو کرتا ہے بہترین کرتا ہے میں ہر حال میں تیری رضا میں راضی ہوں تو مجھ سے راضی رہنا اے میرے مالک جو میرا برے سوچے اسکا بھلا کرنا اسے ہدایت کی راہ دیکھانا

اور جو میرا اچھا سوچے اسکا ہر پل بھلا کرنا اور مجھے ہر مشکل میں ثابت قدم رکھنا صبر دینا ،ضبط دینا ....میرے اللہ میری دعا قبول کرنا ....اسنے خلوص دل سے دعا مانگی تھی اور ضبط اور صبر کی انتہا تھی آنسو اسنے پھر بھی نہ گرنے دیا تھا اسکا اللہ اسکے ساتھ تو اسے کسی کی پرواہ نہ تھی اور اسے اللہ کی ذات پہ پورا بھروسہ تھا سو نئے عزم سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی ......ابھی کل کی یونیورسٹی کی تقریب کے لئے تیاری بھی کرنی تھی جس یونیورسٹی سے اسنے پڑھا تھا اس میں ماحول معاشرے کے بگڑتے حالات اور اسکے سدباب کے حوالے سے اک تقریب رکھی گئی تھی جس میں اسے انوائٹ کیا گیا تھا اسکے اساتذہ نے اسکے جونیئرز نے ،تو پھر جانا تو بنتا تھا نا۔

☆☆☆

تقریب اپنے عروج پر تھی اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہیں تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی ردا اور طلال چونکہ نیوز پیپر آفس سے تھے تو انکو بھی بلایا گیا تھا ردا جو سٹیج کے سامنے بیٹھی اہم پوائنٹ نوٹ کر رہی تھی اچانک اسکی نظر کچھ فاصلے پر بیٹھی لڑکی پہ پڑی تھی جو اسے بغور دیکھ رہی تھی اور ردا کے دیکھنے پر نظروں کا زاویہ بدل چکی تھی بے شک وہ سر سے پیر تک حجاب میں تھی گر ردا کو وہ جانی پہچانی لگ رہی تھی کہاں دیکھا اسے یاد نہیں آ رہا تھا پھر یکدم دماغ میں کلک ہوا تھا۔

طلال............اوئے طلال............!!!!جی......؟؟؟؟وہ جو کھٹا کھٹ تصویریں اتار رہا تھا ردا کے قریب ہو کر چیخنے پر واپس چئیر پہ بیٹھا تھا اور اب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ گرے عبایا اور حجاب میں جو لڑکی ہے وہ زمن عباسی نہیں ہے کیا؟؟؟ردا کی بات پہ پہلے حیرت سے اسنے ردا کو دیکھا پھر اس لڑکی کو بلا شبہ وہ زمن عباسی تھی مگر وہ یہاں کیوں اور کیسے تھی دونوں اپنی اپنی جگہ چپ تھے یہ حیرانی اس وقت مزید بڑھ گئی تھی بلکہ طلال ہمایوں اور ردا رحمٰن کو تو ساکت کر گئی تھی جب سٹیج پہ زمن عباسی کا نام پکارا گیا تھا۔

میرے عزیز طلبہ اور مہمانان گرامی جس انتشار اور معاشرے کے بگڑتے حالات کے حوالے سے ہم نے یہ تقریب منعقد کی اسی کے حوالے سے میں آپکو اک بہت ذہین اور قابل رشک اپنی اک شاگرد سے ملواتا ہوں جس نے گاؤں میں رہ کر اپنے فرسودہ رسم ورواج کے خلاف آواز اٹھائی عورت کو اسکا مقام دلانے کے لئے قلم اٹھایا اور ہر مشکل میں بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور مجھے فخر اس بات پہ بھی ہے کہ یہ باہمت لڑکی اسی یونیورسٹی سے پڑھ کے گئی اور میری اسٹوڈنٹ رہ چکی ہے اور ایم ایس ماس کمیونیکشن میں ٹاپ بھی کیا تھا آج وہ ہمارا فخر اور مان ہیں آپ سب نے انکے بے شمار آرٹیکل پڑھے ہونگے ہر زبان پہ انکا نام ہے میں دعوت دینا چاہتا ہوں اپنی ہونہار اور باہمت شاگردہ زمن عباسی کو جنہیں آپ سب "وفا" کے نام سے پڑھتے چلے آرہے ہیں اپنی پرزور تالیوں کی گونج میں ویلکم کیجیئے" زمن عباسی"..................سر حیدر کی اناؤنسمنٹ پر تو ردا تو ردا، طلال تک مجسمہ بن چکا تھا یہ قسمت نے کیسا کھیل کھیلا تھا..................وہ اسٹیج تک پہنچ چکی تھی مائیک ہاتھ میں تھامے بڑی پر اعتماد اور باوقار زمن عباسی دکھ رہی تھی کہیں بھی اس میں گھر میں گھومنے والی کام کرنے والی معمولی سی زمن دیکھائی نہ دے رہی تھی..........................

عزت مآب وی سی صاحب اور میرے قابل قدر اساتذہ معزز مہمانان گرامی اور میرے تمام عزیز دوستو سب سے پہلے اسلام علیکم............!!!!

اتنی محبت اتنی عزت دینے پہ میں آپ سب کی تہہ دل سے مشکور ہوں میں آج جس بھی مقام ہوں بلاشبہ اس میں سارا ہاتھ میرے اساتذہ کا اور اس تعلیمی ادارے کا ہے جنہوں نے مجھے ہمت دی حوصلہ دیا اور اس قابل بنایا کہ میں آج اس مقام پہ ہوں............

..................وہ بول رہی تھی اور طلال ھمایوں ساکت پتھر نظروں سے اسے تکے جا رہا تھا۔

ہم چاہتے ہیں زمن آپ نوجوان نسل کو کوئی میسج دیں پلیز ....کمپیئر اس سے درخواست کی تھی

میں اک عام سی پینڈولڑ کی میری اوقات کیا میری طرح میری سوچ کو بھی دقیانوسی سمجھا جائے گا لیکن پھر بھی میرا میسج یہی ہے حالات بدلنے ہیں، نظام بدلنا ہے تو اپنی عورت کو بدلو اک اچھی اور نیک بیٹی تمہارا پورا معاشرہ پورا سسٹم بدل سکتی ہے، میں نے پڑھا کہ جب حضرت خدیجہ کی شادی ہوئی ہمارے پیارے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم سے اور وہ آپ کے کمرے میں تشریف لائے .... کہتے ہیں حضرت خدیجہ کا تعلق بہت پڑھے لکھے گھرانے سے تھا انکو دین کا بہت علم تھا اور انہوں نے سن رکھا تھا جو آخری نبی ہوگا اسکے پاس وہی فرشتہ آیا کرے گا جو پہلے نبیوں کے پاس آتا تھا تو حضرت خدیجہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ کیا آپکو وہ فرشتہ دیکھائی دے رہا ہے جو ہر جگہ دیکھائی دیتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں دیکھائی دے رہا ہے، تو حضرت خدیجہ نے اپنے سر سے دوپٹہ اتارا اور کندھے پہ رکھ لیا .... پوچھا ابھی بھی آرہا ہے نظر؟؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں خدیجہ اب وہ فرشتہ نہیں ہے کہیں بھی تو حضرت خدیجہ نے فرمایا بلاشبہ یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ اور ابراھیم کے پاس آتا تھا اور یہ وہی رحمت کا فرشتہ ہے جو اللہ کی رحمت لے کر اترتا ہے مگر اس گھر اور اس جگہ ہرگز نہیں جاتا جہاں ننگے سر عورت موجود ہو .... دوستو دیکھو فرشتہ نبی کے پاس نہیں آرہا کہ وہاں ننگے سر عورت موجود ہے تو ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا؟؟؟ یہاں ننگے سر کیا، ننگے جسموں عورت گھومتی ہے بتاؤ کیا یہ عورت دے گی جنم عظیم لیڈر؟؟؟ کیا یہ اچھی نسل کو پروان چڑھائے گی؟؟؟ ہرگز نہیں جہاں ایسی بے حیا ماں ہو وہاں حالات نہیں بدلتے وہاں سسٹم بدلنے کی نہیں سوچ بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے آپ اپنی بیٹی کو اچھی سوچ دیں اچھی بہن پیدا کریں ساری برائی مٹ جائے گی .... ہم مسلمان ہیں اور ہم ہی اپنی قوم کی بربادی میں پیش پیش ہیں آپ خود ہی دیکھ لیں اپنے میڈیا کو دیکھ لیں جہاں ذرا سٹیٹس ہائی شو کرنا ہوتا ہے لڑکی کو سلیولیس پہنائی دوپٹہ ندارد اور ہاتھ میں گاڑی کی چابی .... اور جہاں لڑکی لوئر مڈل کلاس سے دیکھانی ہو بس اسٹاپ کے کنارے سر پہ دوپٹہ اوڑھا کر کھڑا کر دیا .... اے

امیروں جاگو............... جاگو ذرا دیکھو کیا امیری نے بے غیرت بنا دیا ہے تمہیں؟؟؟ کیا تمھاری عزتیں بے حجاب پھرتی ہیں؟ کیا تم لوگوں کی شان اسی میں ہے بیٹی بے حیائی کا زیور پہنے پھرے اور دنیا تیرے پیسے کے آگے جھکی ہو؟؟؟؟ سارا ہال تالیوں کی گونج میں کھڑا ہو چکا تھا۔

خدارا سوچ بدل لو نظام بدل جائے گا ہم گاؤں کی عورتیں تو بے بس ہیں کہیں درد سہتی تو کہیں ظلم کی چکی میں پستی ضبط کی انتہا پہ ہیں آپ تو آزاد ہو، شہر والو اپنی آزادی کو صحیح مقصد پہ لگا لو وقت ہے اپنی سوچ بدل لو ظلم کی انتہا ہو چکی ہے اب نئی سحر

نئی سحر کا وقت ہے جاگ جاؤ خدارا جاگ جاؤ

میرے لفظ دو کوڑی کے بھی نہیں

تیرا ہر نقطہ سند ہے، حد ہے

تیری ہر بات ہے سر آنکھوں پر

میری ہر بات ہی رد ہے، حد ہے

آج تو اشک بھی یہ کہہ کر نکلے ہیں

تیرے ضبط کی حد ہے حد ہے......

شکریہ........... پورا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور طلال ھمایوں خالی ہاتھ بیٹھا تھا ردا رحمٰن کو لگ رہا تھا بیچ بازار اسے کسی نے عریاں کر دیا ہو کل تک وہ زمن عباسی کے لئے کیا بول رہی تھی اور وفا کے لئے دونوں کے کیا خیالات تھے اور آج............... قسمت نے کیسے بدلا لیا تھا دونوں اپنی اپنی جگہ زمین میں گڑھے جا رہے تھے زمن ان سے پہلے نکل آئی تھی آج اسکا اس شہر میں آخری دن ہے۔ وہ اداس سی یونیورسٹی سے نکل کر قریبی پارک میں آ گئی تھی پارک میں کافی رش تھا وہ خالی کونہ ڈھونڈ کر کافی دیر اکیلی بیٹھی رہی تھی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دیتی اللہ سے مدد کی درخواست گزار بھی تھی دل میں درد مگر اللہ کی

ذات پہ بھروسہ کیئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی شام ہونے کو تھی سبھی لوگ گھروں کی جانب بڑھنے لگے تھے جبھی یک دم کوئی بم پھٹا تھا اور فضا دھوئیں اور چیخوں سے گونج اٹھی تھی مگر جنکی زندگی کا اختتام لکھا جا چکا تھا وہ راہ عدم سنوار گئے تھے زمن عباسی کو بھی اللہ نے درد سے نجات بخش دی تھی اور شہادت کا رتبہ دے کر بڑی شان کی موت دی تھی ہمیشگی جنت اسکا مقدر بن گئی تھی

☆☆☆

طلال ہمایوں زمن عباسی کی قبر پہ مٹی ڈالتا زار و زار روتا جا رہا تھا اور اس سے معافی مانگ رہا تھا ،مگر جو بندہ کسی کے ساتھ چال چلتا ہے اللہ اسکے لیئے بھی چال بن کے رکھتا ہے اور چال بھی ایسا کہ بندہ نہ سکون سے جی سکے نہ مر سکے ایسے ہی طلال ھمایوں کے ساتھ ہوا ہے اسے جب احساس جرم ہوا تو زمن نہیں رہی تھی اور طلال اس سے معافی بھی نہ مانگ سکا تھا بے شک ردا اور طلال اک ہو جائیں گے مگر جو پچھتاوا نصیب میں لکھ دیا گیا وہ ساری زندگی نہ مٹ سکے گا اور طلال روز قبر پہ آ کر آنسو بہائے گا اور معافی مانگے گا مگر وہاں مٹی کے سوا کچھ نہیں بچا ھوگا..................اور طلال کے دامن میں پچھتاوٰں کے سوا.......................بے شک اللہ بہت بڑا عادل ہے............................

مٹی نہ پھرول ہن

گواچے یار نہیں لبھدے

(سار یہ چوھدری ڈوگہ گجرات)

☆☆☆
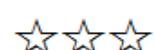
افسانہ ☆ مجھ سے پیار ہوتا تو ☆

تحریر: ارم علی

وہ کالج سے باہر نکل کر جلدی جلدی آگے قدم بڑھانے لگی تھی سنسان سڑک کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگتی اس کے گھر کو جاتی یہ سڑک تھی ہی ایسی یہاں دن کو بھی بندہ بندے کی ذات نہ ہوتی تھی لیکن رامین کی مجبوریوں میں یہ سب سے بڑی مجبوری تھی کہ اسے اس سڑک سے گزر کر ہی گھر کو جانا ہوتا تھا کیونکہ یہ کچی سڑک اس کے گھر کو جاتا اکلوتا راستہ تھی اور اس کے اردگرد لگے صدیوں پرانے درخت وحشت میں اضافہ کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے ہر روز گھنٹہ بھر اسے پیدل چلنا پڑھتا تھا اس دوران وہ اپنے اجداد کو خوب جلی کٹی سناتی جاتی "دادا ابا کی تو مت ہی ماری گئی تھی جو اتنے بڑے شہر کو چھوڑ کر اس جگہ گھر لیا اور ابو جی ان کے لئے تو یہ جگہ ہیرا ہے بس کبھی جو نام بھی لے لو اس جگہ کو چھوڑنے کا ایسے آپے سے باہر ہونے لگتے ہیں گویا لڑکی کے گھر سے بھاگ جانے کے ارادے کا علم ہو گیا ہو دماغ خراب ہیں میرے گھر والوں کے تو اف"

اسے شدید غصہ آتا تھا اپنے گھر والوں پر رامین چلتی جاتی اور گھر والوں کو دل دل میں خوب صلواتیں سناتی جاتی لیکن اس سڑک پر آتے ہی ایک خوف ہمیشہ اس کا ساتھ نبھانے لگتا تھا" کوئی مجھے یہاں سے اغوا کر لے گیا تو بھی مہینہ گھر والوں کو خبر نہیں ہو گی، کوئی میرے پیچھے آ رہا ہے، کوئی مجھے مار ڈالے گا یہاں" طرح طرح کے وہم اس کے حواس پر چھانے لگتے ذرا سی ہوا کی آواز سے بھی اس کے قدموں میں تیزی آ جاتی بعض دفعہ تو وہ آدھے راستے سے بھاگنا شروع کرتی اور گھر جا کر دم لیتی_ لیکن آج اس کے سارے وہم، سارے وسوسے حقیقت کا روپ دھارے اس کے پیچھے آ رہے تھے جیسے ہی وہ اس سڑک پر آئی تھی کوئی گھنے درختوں سے نکل کر اس کا پیچھا کرنے لگا تھا وہ مڑ کر نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اس کا
پیچھا کرنے والا مسلسل چل رہا تھا وہ تیز چلنے لگتی تو پیچھے کرنے والا بھی تیز ہو جاتا_ بہار کا موسم ہونے کے

باوجود اس کے ماتھے سے پسینہ ٹپکنے لگا تھا چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے وہ بہت خوفزدہ تھی "لوگ کہتے ہیں چھوٹے چھوٹے قدم منزل تک لے جاتے ہیں لیکن اس کے اتنے لمبے لمبے قدم بھی اسے منزل تک نہیں پہنچا رہے تھے "اس کا خون ہر ہر قدم پر خشک ہو رہا تھا_ اسے لگ رہا تھا وہ نہیں بچ پائے گی" لگتا ہے وہ درمیان والے گھنے درختوں تک لے جا کر مجھے مار ڈالے گا وہاں تو کوئی بھی نہیں ہوتا "اس کی سوچیں منتشر ہو رہی تھیں لیکن امید کی ایک کرن بنی ھان اپنی بھیڑوں کا ریوڑ لیے چلا آ رہا تھا
اس نے شکر کیا تھا کوئی تو آیا ہے اب وہ بچ جائے گی امید ٹوٹ گئی تھی پٹھان لڑ کا ریوڑ کو لیے درمیان میں ہی کھیتوں میں گم ہو گیا تھا بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گے پیچھا کرنے والے کے ہاتھ میں پستول بھی تو ضرور ہو گا_ اب وہ گھنے درختوں کے قریب تھی وہ جو بھی تھا وہ بھی اس کے قریب تھا اس نے خوف سے آنکھیں بند کی اس نے سوچ لیا تھا جو بھی ہو اب اسے بھاگنا چاہئے ماری جائے یا بچ جائے یہ سوچ کر اس نے دوڑ لگا دی لیکن یہ کیا خوف بھی ایک خاص رفتار سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے دوڑتے دوڑتے اپنی کلائی پر باندھی گھڑی پر نظر دوڑائی تھی گھر تک کا فاصلہ ابھی بھی دس منٹ کا تھا_ پسینے سے اس کا وجود شرابور ہو گیا_ "ابو یہ جو میرے پیچھے آ رہا ہے مجھے مار دے گا" گھر سے تھوڑے فاصلے پر رامین نے اپنے ابو کو کھڑا دیکھ کر چیخ کر کہا اور دھڑم گر کر بے ہوش ہو گئی رامین کے والد بھاگے آئے اس کی طرف_ وہ بے ہوش رامین کو اٹھا کر گھر لے آئے جب رامین ہوش میں آئی تو دیکھا سب گھر والے اس کے گرد جمع تھے" کیا ہوا رامین ،طبیعت ٹھیک ہے نا تمھاری" سب نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی_ "ابو آپ نے دیکھا اسے جو میرے پیچھے تھا "اس کی آنکھوں میں ابھی بھی خوف تھا_
"ہاں بیٹا میں نے دیکھا تمھارے ساتھ تو جیسے اس کا گہرا تعلق ہے "ابو نے رامین کو مسکراتے ہوئے بتایا_
"نہیں ابو ماما میرا اس سے کوئی تعلق نہیں وہ تو مجھے مار" عجیب آدمی بیٹی کی کوئی فکر ہی نہیں اور اوپر سے اس کریمنل کے ساتھ میرا تعلق بھی بنا بیٹھا اور خوش تو ایسے ہو رہا ہیں جیسے خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو رامین نے ابو کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے سوچا اور بات ادھوری چھوڑ دی اس کی آنکھوں میں غصہ در آیا_

"ہاں ابو جی رامین سے تو اسے اتنا پیار ہے بس دیکھتے ساتھ ہی اس کے پیچھے چلنے لگا ذرا جو رامین کو تنگ کیا ہو" میں خود دیکھ رہا تھا احمد نے بھی اپنا باجا بجایا۔

"اف آج تو بھائی کی غیرت بھی مر گئی، بہن کا پیچھا کرنے والے کو دیکھ کر بھی اتنی بیہودہ بات کر رہا شرم بھی نہیں آتی رامین نے قرب سے آنکھیں بند کر لی۔

"یہ دیکھو پھر سے آ گیا ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا ہے کیوں اتنا پیار ہے اس سے رامی مغرور ہے تجھ سے ذرا بھی پیار نہیں کرتی۔ اگر تجھے مجھ سے پیار ہوتا تو میں بھی تجھ سے اتنا ہی پیار کرتی" چھوٹی شنو نے کہہ رہی تھی۔

"استغفراللہ" رامین نے چھوٹی شنو کی بات سن کہ دل دل میں توبہ کی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی آخر اس میں ایسا ہے کیا جو اس غنڈے کے سب دیوانے ہو گے ہیں اور ساری غیرت کو بھول چکے ہیں۔ رامین نے ایک آنکھ ذرا سی کھولی لیکن اس کے منہ چیخ بلند ہوئی دونوں آنکھیں کھل گئیں اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ چھوٹی شنو اس کے منہ کے ساتھ منہ لگائے بیٹھی تھی اور وہ موٹی موٹی بھوری آنکھوں سے رامین کو گھور رہا تھا۔

" کیا یہ تھا وہ جو میرے پیچھے آ رہا تھا

"رامین نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"ہاں میں اسے لیکر پرانے کھیتوں میں گیا تھا تمھارا فیورٹ بکرا ہے نا تمھیں دیکھتے ہی تمھارے پیچھے پیچھے چلنے لگا لیکن مجال ہے جو تم نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا ہو" احمد کی بات پر سب کھی کھی کر کے ہنسے ہنسے لگے اور رامین شرم سے پانی پانی ہو گئی بے ہوشی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے وہ دھڑم سے بیڈ پر گری۔

☆☆☆
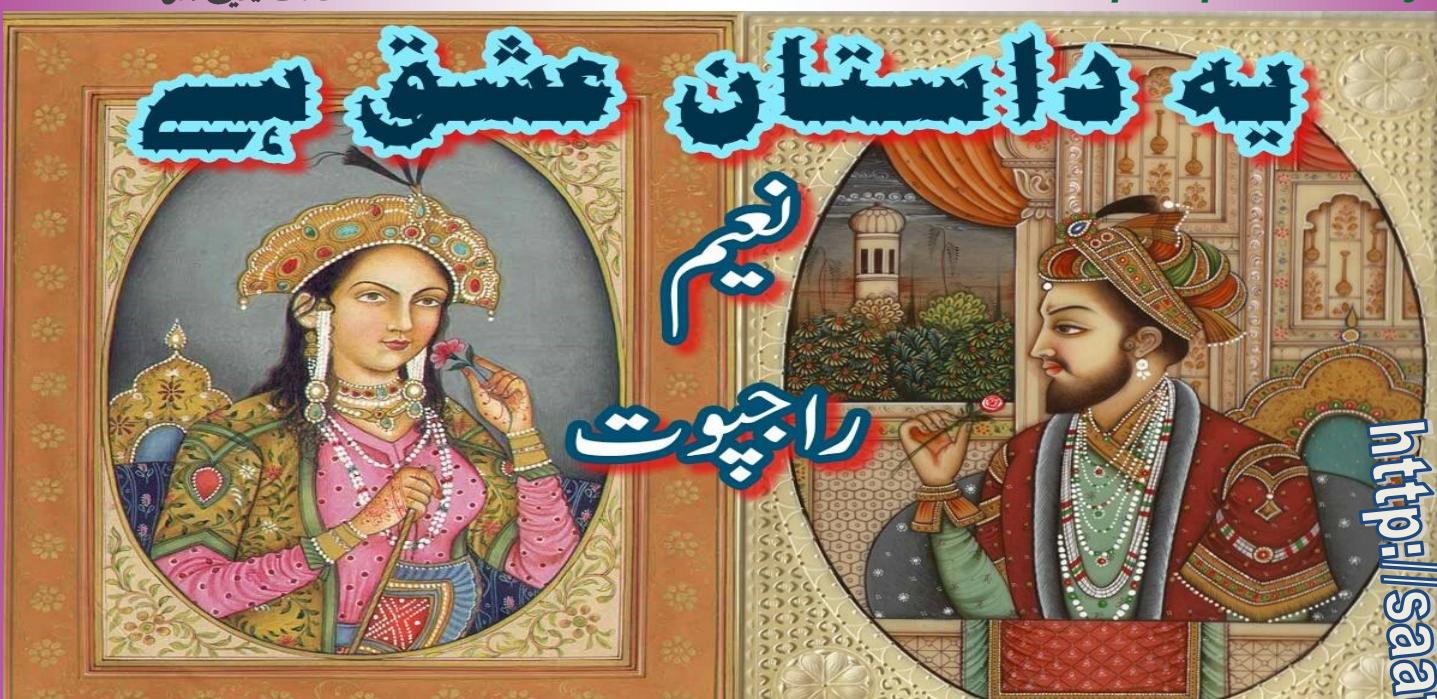
☆یہ داستانِ عشق ہے☆

دُوسری قسط:

تحریر: نعیم راجپوت

دِل نشیں: بی بی آپ تو کہتی تھیں ، باتیں کرتی جائیں گی کرتی جائیں گی لیکن وہاں میں آپ کو دیکھ رہی تھی آپ تو گونگی بن گئی تھیں جی ۔۔

مُورت: تم کیا جانو دِل نشیں ۔۔ یہ ایسا ہی روگ ہے محبوب رُو برو ہو تو زباں گنگ ہو جاتی ہے اور نظر سے ہٹ جائے تو ہر بات لب و زُباں پر مچلتی جاتی ہے۔ شاید محبوب کا وجود ہی ایسا ہوتا ہے۔

دِل نشیں: تو اب آپ جوتے واپس کریں گی ۔۔؟

مُورت: کوئی تو حیلہ ہوا ، اب تو ضرور ہی جاؤں گی ہمارا رَب ہم کو ملانا چاہتا ہے تو قباحت کیسی ، کیوں دِل نشیں آپ کو اچھا نہیں لگا یہ سب ۔

دِل نشیں: جب بادشاہ سلامت کو پتہ چل گیا تو جانتی ہیں یا آپ نے قیاس کیا ہے کہ کیا ہو گا ۔

مُورت جانے دو دِل نشیں ۔ مُجھے کسی کی پرواہ نہیں دِل پر تو کسی کا اختیار نہیں ۔ ابا کی خوشی یقیناً میری خوشی میں ہو گی ۔

دِل نشیں: یہ محبت کیسے ہوتی ہے اور اتنے نقصانات کے ساتھ بھی ہم کو قابلِ قبول ہوتی ہے کیوں ۔؟ میں یہ جان نہ پائی شہزادی صاحبہ ۔

مُورت: محبت تو دو دِلوں کے ملنے کا نام ہے دو دِلوں کا ساتھ دھڑکنے کا نام ہے دو جیون کا پوری زِندگی ساتھ نبھانے کا نام ہے محبت کی کئی اقسام مبارکہ ہیں اول درجہ خالقِ کائنات اور اُس کے محبوب کا

ہے پھر والدین، بہن بھائی اور رِشتہ دار و تعلق دار ایسے میں جو محبت ہم کرتے ہیں یہ آخری درجہ پر ہے کمزور ہے تو سب سے کمزور اور طاقتور ہے تو دُنیا کی کوئی چیز جُدا نہیں کر پاتی اور سب بُھلا دیتی ہے کامیابی تو اُن کی ہے جو محبت کے ساتھ ساتھ تعلق بھی قائم رکھتے ہیں پتہ ہے دِل نشیں لوگوں سے ہم نے سُنا ہے' محبت محبوب کے سوا سب بُھلا دیتی ہے ہاں میں ہوں بے نیاز مجھے پرواہ نہیں ہوتی کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے یا شاید میرا دماغ ہی سَلب ہوا چاہتا ہے اور سوچیں دِل و دماغ کا احاطہ کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن میں لاپرواہ اور بے نیاز اپنے آپ سے ہوتی ہوں' ماحول سے ہوتی ہوں۔ اپنوں اور ان کی محبت سے نہیں' میرا تعلق میرے خالق اور اس کے پیغمبر سے کل بھی مضبوط تھا اور آج بھی مضبوط ہے اور ہمیشہ مضبوط رہے گا۔ والدین کی عزت و احترام کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی محبت کا حصہ میری زندگی میں بہت ہے لیکن صرف ایک ہی شخصیت کے لئے نہیں میں دوسروں کو ان کی محبتوں کو، مجھ سے وابستہ توقعات کو بُھلا دوں۔ محبت بُھلا دیتی ہے۔ رُسوا کر دیتی ہے۔ پرواہ کرنا چھڑوا دیتی ہے۔ بس یاد ہوتا ہے تو صرف محبوب کا خیال۔ ہر سوچ کی طنابیں ایک اُسی سے جا ملتی ہیں۔ ہر لمحہ' ہر لحظہ محبوب کا وجود ہم پر کسی طلسم کی مانند چڑھتا ہی چلا جاتا ہے میں ہر ایک کو اہمیت دیتی ہوں رب کی یاد میرے دماغ میں ہوتی ہے۔ تو والدین اور رُفقاء کی طرف بھی خیال ہوتا ہے بے شک ہم کو محبت ہوئی ہے تھوڑے لاپرواہ ہو گئے ہیں، چین نہیں آتا' صورتِ یار کے لئے دِل ہمکتا رہتا ہے لیکن ہم اُن لوگوں کی طرح نہیں جو رَب کو پیچھے چھوڑ دیں اور اپنا عشق پانے کے لئے بے قرار رہیں۔ خُدا ہماری محبت کو سلامت رکھے اللہ ہم کو اُن سے ضرور نوازے گا جو ہماری چاہت ہے بشرطیکہ رَب کی چاہت جان لیں پھر ہمارے رَستوں میں بڑی سے بڑی رُکاوٹ ہمارے لئے ہمت بنے گی ہر قدم محبت کی طرف بڑھتا جائے گا۔

دِل نشیں: بی بی ہم تو آپ کے لئے صرف دُعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اُن کو آپ کا کر دے جو آپ چاہتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس محبت کی چاہ ہو وہ نہ ملے تو بندہ تباہ ہو جاتا ہے۔

مُورت: اُن متاعِ جاں کی محبت ہمارے دِل میں ننھے شگوفے کی مانند سی پنپتی ہے ایسے جیسے
سردیوں میں سخت بادَل چھائے ہوں اور دُھوپ کا ایک تیز تابنا کی سے سر اُٹھائے شعلہ'
سخت گرمیوں میں گھنے پیڑ کی چھایا اور کسی گہرے زخم پر کسی عظیم مسیحا کی مسیحائی'
بس جی چاہتا ہے برستی جائے' برستی جائے اور ہم اس میں بھیگتے ہی چلے جائیں۔

دِل نشیں: اُن کے رفیق کار مجھے اچھے نہ لگے۔۔

مُورت: کون کامل۔۔؟

دِل نشیں: ہاں بی بی جی۔ ہم بندے کو پہلی نظر میں پہچان اور جان لینے کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن وہ
کوئی خاص ہمدرد بھی معلوم نہیں ہوتے صاحب کے۔ ہمارے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی
ہے یہ اور بات کہ خیالات غلط بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

مُورت: ہم کو تو ایسی کسی بات پر یقین نہیں آتا کہ فلاں دغاباز ہے۔ وہ کاذب ہے۔ ہم کو تو سارے
ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

دِل نشیں: بس بی بی ہماری دُعا ہے۔۔ آپ کا دِل صاف ہے اللہ آپ کی قسمت بھی اچھی کرے اور
آپ کو وہ تمام خوشیاں نصیب کرے جن پر آپ کا حق ہے مَیں اس عمل میں آپ کے شانہ بشانہ ہو گی
جہاں کہیں مدد کی ضرورت پڑی' مجھ کنیز کو ضرور یاد فرمالینا۔ ہر دَم کسی ہمزاد کی طرح ہمراہ پائیں گی۔

☆ ☆ ☆
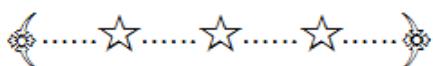
شاہ زر: کیا یار تم ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے ہو تم تو بالکل بدل گئے ہو۔

ولید: کیا کریں دِل و دماغ میں اُن کے خیالات ایسے پیوست ہو گئے ہیں کہ کیا ہی بے بس
ہوئے ہیں۔

شاہ زر: ہمت پیدا کرو ایسے ڈھے جانے سے محبت نہیں ملا کرتی ،حوصلہ کرو۔

ولید: کوشش تو جاری ہے والد محترم خفا ہیں' اُن کو کیسے راضی کریں

شاہ زر: یار کیا ایسی حسین ہیں کہ تم کسی اور چیز میں دِل ہی نہیں لگا رہے۔مجھ سے ملنے آتے تھے اَب تیسری بار میں ہی تم سے ملنے آیا ہوں وہ بھی پورے ایک مہینے سے،تم تو ہر چوتھے مہینے آیا کرتے تھے یار۔

ولید: چلو تم گلے کرلو۔

شاہ زر: کیا اِتنا بھی نہیں رہا۔شکر ہے ہم کو عشق نہیں ہوا' ورنہ تیری طرح ہی ہوتے۔ویسے ہم کو اپنی محبوبہ دِکھایئے تو سہی۔ہم تو دیکھیں ہمارے جگر کی آنکھ کہاں ٹھہری۔

ولید: آزماؤ نہیں۔تم کو بھی پتہ چل جائے گا کہ نظر اٹکی تو بالکل مثبت اٹکی۔اُن کے حسن کی تاب لانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے ہم تو جو ایک بار ڈھے تو اب کسی طور اُٹھ نہیں پا رہے۔

شاہ زر: تو پھر اگلی ملاقات کب ہے ہمارے دوست کی۔

ولید: کل ہی مل رہے ہیں تم بھی چلنا ،دیکھ لینا۔مُجھے امید ہے تم بھی ہماری باتوں سے قائل ہو جاؤ گے۔

شاہ زر: یہ عشق کی عبادتیں تُجھے ہی مُبارک ہوں ہم تو ایسے ہی بھلے۔یہ عشق ہو جائے تو کسی جرثومہ کی طرح چپک سا جاتا ہے، بیماری لگتی ہے اور ختم نہیں ہوتی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ ہاں ہم دیدار ضرور کریں گے جس نے ہمارے دوست کو کملا دیا ہے۔

ولید: کیوں اب خوش ہوناں ہم نے تمہاری والدہ سے بات کر لی تھی کہ ہم شاہ زر کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں گے اور اُجرت بھی دیں گے۔تو اب وہ آپ کو تنگ تو نہیں کرتیں۔

شاہ زر: تیرا احسان ہے یار! ہم تو بے بس ہو چلے تھے۔

ولید: اب تو بھی شادی کر لے۔

شاہ زر: شادی ابھی میرے منصوبوں میں نہیں۔

ولید: تو شامل کر لے ناں۔ آخر کرنی تو ہے ایسے کر اکھٹی ہی لڑکی دیکھ لے دونوں اکھٹی ہی شادی کرتے ہیں۔

شاہ زر: یار ہماری تو رضامندگی کی اِجازت درکار ہے والدہ کو کل ہی ہماری شادی کرا دیں اور ایسا جکڑیں کہ کیا ہی کسی دیوانے کو زنجیرِ آہن میں جکڑا جاتا ہے۔

ولید: ہمارے لئے بھی دُعا کر۔

شاہ زر: تیرے والد نہیں راضی اس رِشتے میں۔ مخالف لوگ بھی یقیناً تم کو مثبت جواب نہیں دیں گے کیا وہ چاہیں گے کہ ایک دُشمن کے بیٹے کو اپنا چشم و چراغ سونپ دیں۔

ولید: ناممکن کی بات نہ کیا کر۔ کیا ہے اس جہاں میں جو ممکن نہیں اور تُو دیکھ لینا ہم ممکن کر دکھائیں گے تم کو۔ عشق کی اس داستان کا انجام تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔
اور انجام شہزادے اور شہزادی کا عمر بھر کا ساتھ ہوگا۔

شاہ زر: چلیے دیکھتے ہیں اور ہم آپ سے اِجازت چاہتے ہیں۔ وقتِ مقررہ سے تجاوز کر گئے تو والدہ وقتِ مقررہ سے تجاوز کر گئے تو والدہ شکوک کی ایک بھاری گھٹڑ ہمارے سر پر لا دیں گی۔

ولید: کیا ہی خوب دِن تھے جب یوم اطفال میں ہم کھیلا کرتے تھے۔ کھلونے ٹوٹنے پر رِو دیتے تھے پتہ بھی تھا کہ اور مِل جائیں گے کہ ضِد کرتے تھے والدین سے اور ملنے پر بے تحاشہ خوش ہوتے تھے۔ لیکن اب کے جوانی میں کسی چیز کے کھونے کا سوچنا بھی محال لگتا ہے۔ کسی سے محبت ہو جائے تو اس کا ہر ایک غم اپنا غم لگتا ہے۔ وہ ہنسے تو خود کتنے ہی غموں کے بھنور میں ہوں اس کے لئے مُسکا دیتے ہیں۔

شاہ زر: اور تیرے کھلونے ہمیشہ میں نے ہی توڑے ہیں۔ یاد ہے تُجھ کو تیری گھوڑا گاڑی میرے پاؤں رکھنے سے ٹوٹ گئی تھی اور پھر تو نے سارے جہاں میں واویلا پیٹا تھا۔

ولید: بے فکری سی بے فکری تھی۔ اب تو کچھ کھو جانے کا تصور ہی اِتنا روح فرسا ہوتا ہے کہ سانس تھم سی جاتی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ کیا محبوب کے بغیر بھی کوئی زِندگی ہے۔ سچ کہتے ہیں ہم شاہ زر کبھی کسی سے عشق کر کے دیکھو۔ اپنی تو زِندگی سنورتی نظر آتی ہے۔
بشرطیکہ کوئی رُکاوٹ حائل نہ ہو یا تم رُکاوٹ دُور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شاہ زر: دیکھتے ہیں پر ڈر لگتا ہے تیری یہ بیگانہ سی کیفیت ہم کو کوئی خاص پسند نہیں آئی کہ ہم بیگانہ ہوئے تو ہماری والدہ کا ایک کفگیر ہی ہم کو واپس دُنیا میں لا پٹخے گا۔

ولید: سو کل تمام مصروفیات ترک رکھنا' ہمارے ساتھ چلنا کیا ہمارا محبوب کسی چاند سے کم ہے کیا۔

☆......☆......☆
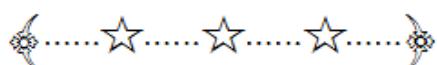
مجھے کیا خبر کہ وہ عشق تھا' نماز تھی کہ سلام تھا
میرا اَشک اَشک تھا مقتدی' تیرا حرف حرف امام تھا

کامل: سنایئے پھر حضور کیسی رہی ملاقات آپ کی۔

ولید: کیا سنائیں ہماری تو زُبان ہی گنگ ہوگئی' ساتھ ہی چھوڑ گئی بے وفا محبوبہ کی طرح۔ یہ بھی ٹھیک ہے جب سب ان کا ہوا تو زُبان میرا ساتھ کیوں کر دے گی۔

کامل: بادشاہ سلامت خفا نہیں ہوتے آپ کے اس رویے سے۔

ولید: کامل؛ اے عزیز میں کیا کہوں والد محترم ہماری دِلی کیفیت سے لاعلم ہیں گر جانتے ہوتے تو ہم سے عداوت نہ رکھتے اس معاملے میں۔

کامل: حضورِ والا، بادشاہ سلامت آ رہے ہیں، ذرا سنبھل جایئے۔

جہاں عالم: کیسے ہیں ہمارے شہزادے۔

ولید: آپ کی دُعائیں والد۔

جہاں عالم: ہم تو آپ کے لئے سراپا دُعا ہیں سنایئے کیا معاملہ ہوا

ولید: کس معاملے میں دریافت کرتے ہیں والدِ محترم۔

جہاں عالم: آپ سلطنتِ لزانیہ کی شہزادی سے ملنے چلے تھے ناں اس کی بابت پوچھتے ہیں۔

ولید؛ ہماری کیفیات تو پہلے سے بھی گُزر گئیں والدان کا کیا کہیے۔

جہاں عالم: ہم نے زمانہ دیکھا ہے شہزادے

ولید: اور ہم نے اُن کو دیکھ لیا تو زمانہ دیکھ لیا۔

جہاں عالم: ہم یہ بات قطعاً برداشت نہیں کریں گے کہ اس شہزادی کے خیال سے آپ دربار کے امور میں غفلت برتیں اور عشق عشق کرتے پھریں یہ ہم کو ہمارے دُشمنوں کی کوئی چال محسوس ہوتی ہے بچ جایئے ہم کو دوبارہ برباد ہونے سے بچا لیجئے۔

شہزادے یہ ایک والد کی اپنے بیٹے سے درخواست والتجا ہے۔

ولید؛ براہِ کرم والد ہم کو شرمندہ نہ کیجئے ہم دل و جان سے آپ کی ناموس کی حفاظت کرتے ہیں' کرتے رہیں گے، لیکن یہ بھی دل کا معاملہ ہے'روح کا ہے آپ کے شہزادے کا ہے۔

جہاں عالم: ہم آپ کا بَر لے کر ان کے پاس کبھی نہیں جائیں گے۔

ولید: ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں وہ ہمارے ساتھ ہیں تو زمانہ جو کرے ہم کو پرواہ نہیں۔

جہاں عالم: ہم ان سے بہتر تلاشیں گے آپ کے لئے۔

ولید: ہم نے تو اُن سا نہیں دیکھا تو ان سے بہتر دُنیا میں ہوگا ناممکن سی بات ہے

جہاں عالم: کیا خوبی ہے ان میں

ولید: کیا یہ خوبی کافی نہیں کہ وہ ہمارے دل کی ملکہ ہیں۔

جہاں عالم: ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔

ولید: والد اس معاملے میں ہم سے ضِد روا نہ رکھیں۔ آپ کے جسم میں ایک خاندان کا خون ہے اور ہمارے جسم میں دو خاندانوں کا۔

جہاں عالم: تو گویا آپ اس سب سے باز نہیں آئیں گے۔

ولید: ہم کو مُورت سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا' چاہے وہ سلطنتِ لزانیہ ہو یا سلطنتِ نظامیہ

کامل: آپ بادشاہ سے ضِد نہ لگائیں ہم کو نتائج بُرے معلوم ہوتے ہیں۔

ولید: کیا ہم کو یہ کوئی سمجھا سکتا ہے کہ لوگ چاہت کے دُشمن کیوں ہوئے جاتے ہیں میں بتائے دیتا ہوں کامل! مجھے اگر گرم دوپہروں میں سخت دُھوپ میں گرم ریت پر لٹا دیا جائے' زندان میں ڈال دیا جائے' ملک بدر کر دیا جائے مُورت کے محبت کوئی بھی میرے دل سے نہیں نکال سکتا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے اور والد محترم کو میری خواہش' بے شک ضِد کہہ لیں ،کو پورا کرنا پڑے گا۔

کامل: ولید صاحب! میں تو کہتا ہوں کوئی آپ کو نقصان نہ پہنچا دے۔ آپ کے والد محترم بجا فرماتے ہیں۔ دُشمن' دُشمنوں کے لئے چالیں چلتے ہیں کہیں ان کا یہ فعل بھی کوئی چال نہ رکھتا ہو۔

ولید: کامل آپ بھی یہی کہتے ہیں ہم نے ان کی آنکھیں دیکھی ہیں اُن میں محبت کے جلتے دیے بتاتے ہیں کہ اُن پر بھی محبت کا کاری وار چل چکا ہے۔

کامل: ہماری دُعا ہے آپ کے لئے کہ جو ہو آپ کے حق میں ہو اور اچھا ہی ہو۔

ولید: ٹھیک کہتے ہیں پر ہم حق پر آئے تو مورت کو ہمارا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ محبت کی اس داستاں کا انجام الم نہیں، ملن ہو گا۔

☆......☆......☆

مقربِ خاص: بادشاہ سلامت! ہم آپ کی خدمت میں یہ قرطاس پیش کرنے کی اِجازت چاہتے ہیں۔

آصف جاہ: اجازت ہے۔ اور خوب مقربِ خاص! بتایئے کیا فروگزاشت ہیں قرطاس پر۔

مقربِ خاص: ہم شرمندہ ہیں کھول کر نہیں دیکھا ڈوری میں لپیٹے ایک مُنڈیر پر رو پہلا سا جوان کبُوتر ڈال گیا۔

آصف جاہ: دیکھیئے تو ہماری طرف کس کا تار آتا ہے

مقربِ خاص: علی جاہ یہ سلطنتِ نظامیہ سے آیا ہے قرطاس کے پچھلے صفحہ پر بیان ہے ماہِ عالم بن سمیع عالم۔

آصف جاہ: یہ کیا۔ یہ کیا ہے ہمارے رقیبوں کو ہم سے گُفت وشنید کب سے آس ہوئی کہ رقعہ لکھ پھینکا، کھولئے اور ہم کو پکڑایئے۔

مقربِ خاص: یہ لیجیے علی جاہ۔

"سلطنتِ نظامیہ سے ہم مابدولت ماہِ عالم بن سمیع عالم آپ سے سلام عرض کرتے ہیں۔ اطلاع خاص تھی جو آپکے علم میں لانا مقصود تھا اور ہمارے ذمہ تھا۔ اب دُشمنی کی شروعات تو مُدت سے تھیں مگر اس کو رِشتہ داری میں بدلنا ہماری سرشت میں نہیں دُشمنوں

سے دُشمنی نبھائی جاتی ہے، رِشتے نہیں۔ ہم نے آپ کو مطلع کرنا تھا کہ آپ کی صاحبزادی ہمارے شہزادے کی زندگی میں شامل ہونے کا عندیہ دے گئی ہیں ہم اپنے بیٹے کی خاطر آپ کی بیٹی کی عزت کرتے ہیں عزت ہم سب کی سانجھی ہوتی ہے ہم کہے دیتے ہیں کہ اپنی صاحبزادی کو حدود میں رکھیے۔ ہم بارہا کہتے ہیں کہ ہم آپ سے کوئی تعلق استوار نہیں کر سکتے۔ ہمارے والد محترم کو جس اذیت سے آپ لوگوں نے دو چار کیا تھا وہ زخم آج بھی رِستا ہے، ہم نئی دُشمنیوں کی بنیادیں نہیں ڈالنا چاہتے۔ اس لئے آپ سمجھ جایئے اگر آپ کی صاحبزادی اب کی بار ہمارے صاحبزادے سے ملیں تو کھلی جنگ ہو گی جس میں سب نیست و نابود ہو جائے گا۔ اگر امن کے مُتلاشی ہیں تو سمجھداری کا ثبوت دیں۔ بھلا آپ کے لئے یہ کم ہے کہ آپ کی صاحبزادی غیر لوگوں سے ملنے کی ہمت کرتی ہیں۔ ہماری اولاد ہمارا امانتی ہے آپ اپنی اولاد کو دیکھیئے۔ والسلام۔۔"

مقربِ خاص: بادشاہ سلامت کس بات پہ مسکراتے جاتے ہیں آپ ہی آپ میں۔؟

آصف جاہ: آپ اس دُشمن کی تحریر سے ایک ڈر کی داستان نہیں سمجھ سکتے ہم سمجھ گئے ہیں، اب ہم مُورت کو نہیں روکیں گے واللہ اس سے ہماری یہ مُراد نہیں کہ دُشمن کے آگے جھک گئے ہم سمجھ گئے ہیں کہ اب دُشمن کو اس معاملے میں کیسے دھنسانا ہے، ہم جانتے ہیں اب تو جنگ وہ کر ہی رہے گی اور سلطنتِ نظامیہ کی بربادی کے آثار ہم اپنی ان کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ کہہ دیجیئے مُورت کو کہ آپکے والد کو آپ کی ہر خواہش عزیز ہے۔ اُن کو کہیئے کہ وہ بَر لائیں ہماری طرف سے انکو محبت بھرا جواب ملے گا۔ ہم آج یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس برسوں کی دُشمنی کو ختم کر کے خطہ میں سکون چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے پہل کرتے ہیں۔

مقربِ خاص: جو حکم بادشاہ سلامت آپ کی منطق آپ ہی جانیں۔

آصف جاہ: سارے شہر میں منادی کرا دی جائے۔ ہم نے اس دُشمنی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے

رِشکِ بلقیس: یہ کیا ہے وہ ہم کو باز رکھتے ہیں مُورت کا اُن کے صاحب زادے سے ملنے سے اور آپ اِسی کا فیصلہ سُناتے ہیں اور بھلا صحیح ہی تو کہتے ہیں۔ ہماری مُورت ان کے بیٹے سے ملنے جائے، ہماری غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرتی۔

آصف جاہ: آپ نادان ہیں نہیں سمجھ پائیں گی، ہم بہتر سمجھتے ہیں اور جو بہتر سمجھیں گے، کر گزریں گے۔ آپ بس کھلی آنکھوں سے دیکھتی جائیں کہ ہوتا کیا ہے۔ اگر ہمارے دُشمن کمزور نہیں تو نحیف ہم بھی نہیں۔ ہم بھی مضبوط فوج کی سلطنت سنبھالے ہوئے ہیں۔ اب جو مُقابلہ ہوا تو مُقابل چاروں شانے چت ہوگا۔ میرا دعوی ہے یہ۔ اور آصف جاہ جھوٹے دعوے نہیں کیا کرتا یہ تو بلقیس آپ جانتی ہیں۔

رِشکِ بلقیس: ہم آپ کی صنفِ بہتر ہیں، خوب جانتی ہیں۔ اور یقیناً آپ کی عقل مبارکہ میں اچھی منصوبہ بندی ہی ہوگی۔

☆ ☆ ☆
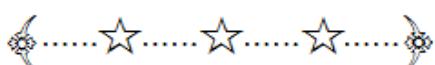
رِشکِ بلقیس: ہم سخت نالاں ہیں آپ کی اس حرکت سے مُورت۔ کیا ہماری تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی، کوئی کسر اُٹھا رکھی کیا ہم نے۔

مُورت: خُدارا۔۔ والدہ آپ ایسے مخاطب نہ ہوں۔ مجرم کے سے بن جاتے ہیں ہم۔ ہمارے دل نے چاہا کہ ان کو پالیں تو اس میں ہماری کیا خطا ہے۔ انہوں نے پہلی ہی وار میں نیناں ٹھگ لئے۔ دل اپنے نام کر لیا، اب جب ہم بے اختیار ہو چلے تو دُنیا کو یہ سوچیں آ

رہی ہیں کیا محبت نا قابلِ معافی جُرم ہے۔

رِشکِ بلقیس: محبت کے خلاف نہیں ہم۔ ہم تو دُشمن سے محبت کے خلاف ہیں۔ شہزادہ شہروز میں کیا کمی تنگی پاتی ہیں آپ۔ آپ کی اُلفت میں گِھرے لٹو بنے پھرتے ہیں آپ کے گرد۔ اور آپ ان کو خاطر میں نہیں لاتیں اور دُشمن کے عزیزوں سے محبت کو کیا نام دیں بھلا ہم۔ کیا کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہماری کیا عزت رہ جائے گی دُشمن کے سامنے۔

مُورت: ہم آپ کے لئے سب کر گزریں گے لیکن محبت سے جُدائی ممکن نہیں۔

آصف جاہ: اِنہیں کہیے رِشکِ بلقیس کہ زبان کو سنبھالیں یہ والدین کے سامنے عشق و محبت کی باتیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔

مُورت: پھر بھلا آپ اختلاف کیوں کرتے ہیں۔ نہ کیجئے بحث۔

رِشکِ بلقیس: ہم کہتے ہیں خاموش رہیے۔ مُورت بس اب ہماری بات ذہنِ پُختہ میں راسخ کر لیجئے کہ ہم اب آپ کی ان سے مُلاقات کی خبر نہ سُنیں۔ معاملے کو دفن کر دیجئے گا اور خود کو بچا لیجئے۔

آصف جاہ: اور ہاں آئیندہ ہم کوئی ایسی بات نہ سُنیں ہمارے تن بدن میں آتش کے شعلے ہم کو خاکستر کیئے دیتے ہیں۔ ہمارے والد کا خون ناگہاں اتنا ارزاں تھا کہ ہم اب دُشمنوں کو اپنی بیٹیاں دِکھانی شروع کر دیں۔ کیا حیثیت بچتی ہے ہماری۔

مُورت: وہ بھی ہمارے سے محبت کرتے ہیں۔

رِشکِ بلقیس: خوش فہمی ہے جناب کی۔ اور وہ ہمارے دُشمن ہیں دُشمنوں سے محبت کی بات کرتے ہیں اور ہم تو کہیں بہت پیچھے رہ گئے۔

مُورت: ہمارا دل کہتا ہے کہ وہ ہم سے سچی محبت کرتے ہیں۔

آصف جاہ: دل اُن راہوں کا مُسافر ہوا جا رہا ہے وہ راستے آگے جا کر بند دیوار سے جا ملتے ہیں جس کے تینوں اطراف کوئی راہِ فرار نہیں واپس پلٹنا ہی پڑے گا۔ ہم ان تینوں راستوں پر کھڑے ہیں۔ ہم ایک دفعہ پھر منع کیئے دیتے ہیں اس قبیح فعل سے‘ جو ہماری نسل تو کیا‘ ہماری نسل کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی اور ایک بادشاہ کی بیٹی ہو کر آپ اس کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ کیا آپ کے اس فعل سے باقی دُنیا کو آ گاہی ہو گی تو رُعایا ہمارے دستار پر انگشتِ ذلت نہ اُٹھائیں گے۔ کیوں کر اور کیسے ہم ان کو روک پائیں گے۔ ایسے کوئی جھوٹ ہو تو ہم جواب دیں۔ بعض سچ بھی بندے کو بے بس کر دیتے ہیں کیا ہماری برسوں کی عزت کو دُھول کی نذر کرنے کی کوئی معقول وجہ بیان کرنا پسند فرمائیں گی۔

مُورت: ابا جان ہم نے عرض کیا تھا ہماری ان سے محبت اپنی جگہ آپ بھی میری زِندگی ہیں کوئی کم حیثیت نہیں رکھتے۔ ہاں ہم نے محبت کی ہے‘ جو کام کیا بلکہ خود ہی سرزد ہو جائے اس سے مُنکری کیوں کر ممکن ہے۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھیے ہم نے کوئی ناگفتہ بہ عمل نہیں کیا اور نہ کریں گے کہ رُعایا‘ جو آپ کے چلن کی مثال دیا کرتی ہے آپ ہی کو ٹٹولنا شروع کر دے‘ محبت گُناہ نہیں‘ جُرم تو نہیں پھر اس کو دُنیا والے ایسی نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں ہمارے مِلنے سے‘ ہماری مُشاورت سے اگر ہمارا برسوں کا عناد اختتام پذیر ہو جائے تو والد محترم اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے اُن کے صاحب زادے بھی تو یہی چاہتے ہیں۔ پھر کیا آپ یہی چاہتے ہیں کہ دُشمنی‘ دُشمنی ہی رہے۔

رِشکِ بلقیس: یہ دُشمنی اس طرح دوستی میں بدلے یہ بھی ہم کو منظور نہیں۔ کیا کبھی عزت رَول کو بھی کسی نے عزت پائی ہے بھلا۔

آصف جاہ: کبھی کبھی کسی بیماری کو دُور کرنے کے لئے‘ اس کا تریاق کرنے کے لئے کڑوا گھونٹ پینا ہی

پڑتا ہے۔

مُورت: کیا آپ ہماری اُن سے نسبت کو بے عزتی یا بے مَولی سے مستعار لے رہے ہیں تو اس موقع پر امی جان آپ غلط ہیں۔

آصف جاہ: ہم نے کچھ نہیں سننا۔۔ ہماری جو ضِد ہے تو ضِد ہے اور جو رُسوائی سلطنتِ نظامیہ نے ہماری کی' پورے علاقے میں۔ وہ کیا کم ہے۔

مُورت: ایسی کیا بات ہوئی بابا جان۔ ہمیں آپ سخت کبیدہ خاطر لگ رہے ہیں آپ ہماری زِندگی ہیں ہم آپ کے بارے میں بُرا بھلا اور آپ کی رُسوائی کا سوچیں خُدا ہم کو اگلا سانس نصیب نہ کرے۔

آصف جاہ: یہ رُقعہ پڑھ لیں' ہمارے تمام سوالات کا مدلّل جواب پائیں گی۔

مُورت: یہ سب کس نے کہا۔۔

آصف جاہ: ہمارے پڑوسیوں کی طرف سے۔

مُورت: آپ پریشان نہ ہوں' میں ولید سے اس بارے میں بات کرتی ہوں۔

آصف جاہ: اب کیا رہ گیا ہے۔

مُورت: مُجھے ایک بار ولید سے بات کرنے دیں پھر دیکھتی ہوں' ہوسکتا ہے یہ کسی کی سازش ہو۔ اور یہ بتایئے۔۔ کیا ان کے والد خود رِشتے کے لئے آئیں تو آپ مان جائیں گے وہ خود چل کر آئیں تو۔۔۔

آصف جاہ: چلیے وہ ہم سے معافی مانگ لیں' آئیں ہم کو خوش کریں پھر دیکھتے ہیں۔

مُورت: جی والد محترم۔ وہ اپنے بیٹے کی مانتے ہیں' ان کے بیٹے خوش قسمت ہیں۔ ان کے والد بھی یقیناً اِس دُشمنی کو ختم کرنے میں مدد کریں گے۔

آصف جاہ: لیکن بتا دیں اب آپ کو نہیں ملنا اُن کے صاحب زادے سے۔

مُورت: مِلنا تو پڑے گا والدِ محترم ہم کو ایک موقع دیں ہم آپ کی عزت کا پاس رکھیں گے ہم کو ایک موقع فراہم کردیں۔ ہم ان کو صورتِ حال سے آگاہ کریں گے۔ ہم کو یقین ہے وہ اپنے بیٹے کی خاطر مان جائیں گے۔

رِشکِ بلقیس: آپ نے اس کو کیوں اِجازت دی۔ ہم کیا اِسی قابل رہ گئے ہیں کہ دُشمنوں کو بیٹیاں بیاہیں گے۔

آصف جاہ: دیکھتے جایئے رِشکِ بلقیس، ہم دُشمن کو کیسے ناکوں چنے چبواتے ہیں ایسے ذہر دیں گے کہ ترس ترس کر جان دیں گے۔ آپ کیا ہم کو کمزور سمجھیں۔ آپ دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔

☆☆☆
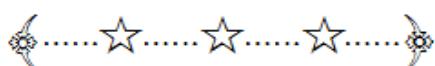
ولید: السلام علیکم۔ کہیے کیسے مزاج ہیں۔

مُورت: وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہیں۔ دُعا ہے آپ کی۔ آپ سنایئے۔

ولید: اللہ نے نعمت عطا کی اور ہم اسی عطا پر ہی شکرادا کریں کم ہے۔

مُورت: یہ جو آپ کے ہم پلہ نظر آتے ہیں، ان کا بھی تعارف کرایئے۔

ولید: ارے ہم بھول گئے۔ یہ ہمارے عزیز م ہیں ہمارے واحد دوست شاہ زر لطیف۔ اور شاہ زر اِن سے ملیے یہ کائنات میں اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ شخصیت ہیں جو ہمارے دل میں ایسی سمائیں کہ دِل کسی اور کا ہوا ہی نہیں اور نہ خواہش ہے۔

شاہ زر: یہ تو ہم جانتے تھے کہ آپ کو محبت ہوئی اور جن سے ہوئی یہ بھی تعارف حاصل تھا، لیکن براہِ راست پہلی بار ہم ان کو اپنے رُوبرُو دیکھ رہے ہیں اور یہ کہنے میں ہم کوئی عار محسوس نہیں

کرتے کہ عشق جن سے بھی ہو تو پری کیا چیز ہے مگر یہاں تو عشق ہوا ہی پَری سے ہے تو دِل کو روکنے والا کون۔؟ اور دِل خود رُکنے والا کہاں۔ہم نے ولید سےتو بہت تعریف پائی آپ کی اور دیکھا تو یہ جانا کہ یہ تو آپ کے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں ہم بھی آپ کو دیکھنے چل پڑے کہ کون ہیں وہ ولید کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے' ان کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ہاں اب ہم نے یہ راز پا لیا آپ صرف لاجواب ہی نہیں' بے مثال بھی ہیں۔اور ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی تو کہتے ہیں کہ ولید کا دل جہاں اٹکا اِس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔آپ کی صورت ہی اتنی من موہنی ہے کہ دل بے اختیار ہی ہو جائے۔

مُورت: ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اَنمول محبتیں ملیں۔والدین سے' رُعایا سے' اور ولید سے بھی' آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہمیں تعریف کے لائق سمجھا لیکن ہم صرف اُس ذاتِ واحد کی تعریف کرنے کا کہیں گے جس کے اذن سے جنم لینے والے ہم انسان ہیں۔انسان میں سب سے بڑی چیز اخلاق ہوتی ہے اور سب سے بُری چیز تکبر ہوتی ہے اور ہم نے یہ جانا کہ اخلاق بہتر کرلو' تکبر کبھی بھی نہیں ٹھہرنے والا' آپ کی ذات میں۔۔۔

شاہ زر: ہم تو اعلانیہ یہی عرض کرتے ہیں کہ آپ ہلاک کرنے میں کوئی ثانی نہیں رکھتیں ہمیں اِجازت دیجئے کہ آپ جب سیر ہو جائیں تو چلے آیئے گا' ہم مزید تاب نہیں لا سکتے۔معذرت۔

ولید: یہ ہمارے عزیز دوست ہیں' بچپن کے ساتھی ہیں' شرارتی حد سے سوا ہیں' بُرا نہ مانئے گا اُن کی باتوں کا۔

مُورت: نہیں بُرا نہیں مانا اچھا ہے آپ نے ان سے بھی مِلا دیا۔

ولید: اور سنایئے کیا حال چال ہیں۔۔؟

مُورت: ہم تو ٹھیک ہی ہیں لیکن حالات مزید گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں۔آپکی سلطنت سے

والدِ محترم کے نام ایک تار آیا ہے، جس میں ہمارے کردار پر اُنگلی اُٹھائی گئی، ہمارے والد کی ایک عزت ہے، ایک شان ہے، وہ ہمارے لئے قابلِ عزت ہیں، اور بلا شبہ ہم آپ سے بھی محبت کرتے ہیں، اس بات کا کہہ دینا ہی ہماری نظر میں بہتر ہوگا کہ ہمارے والد ہم کو ملنے کی اِجازت نہیں دے رہے تھے۔ بڑی کشش و پیچ کے بعد ہم ان کو راضی کر پائے، اب ہم کو کہیے اُس تار کے بھیجنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ ہمارا مقصد آپ کو تکلیف دینا یا لڑانا نہیں، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ عزت تو ہر ایک کی ہوتی ہے۔

ولید: ہم والد کی اِس حرکت پر نالاں ہیں اور ہمارا رَب جانتا ہے اگر آپ سے محبت ہے تو دِل سے ہے ہم ایسے نہیں دِل میں بسایا اور نِکالا، ہم نے جس کو بسایا ہے عُمر بھر کے لئے بسایا ہے، اور وہ صرف آپ ہیں۔ ہماری زِندگی میں کوئی آئے گی تو آپ ہیں اور رہی بات تار کی تو ہم کو اس کے بارے میں بالکل اطلاع نہیں ، آپ کے جذبات کو جو جانے انجانے میں تکلیف پہنچی ہم اس، ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں اور براہ کرم ہماری طرف سے معافی بھی اپنے والد کو پہنچا دیجئے گا۔

مُورت: اور ایک نہایت اہم بات، ہمارے والد ہمارے رِشتے پر راضی ہیں اپنے والد صاحب کو کہیے کہ وہ ہمارے ہاں بَر لائیں ان کو مثبت جواب دیا جائے گا۔

ولید: بُخدا ہم کو یقین نہیں آ رہا اگر یہ سچ ہے تو ہم جلد ہی والد صاحب کو بھیجیں گے، آپ کی بات سو فیصد سچی ہے ہم والدِ محترم کو راضی کریں گے اس طرح سے ہمارے درمیان دُشمنی کم ہو گی اور دوستی کی راہیں ہموار ہوں گی۔

مُورت: اور اَب ہم آپ سے آخری بار ملنے آئے ہیں۔

ولید: آپ پہلے کب ملنے آئی ہیں؟

مُورت: ہم یہ جوتے واپس کرنے آئے ہیں۔

ولید: آپ کے پاس ہمارے صرف جوتے ہی تو نہیں صرف ان کی واپس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

مُورت: باقی جو ہمارا ہوا تو آپ طلب کیوں کرتے ہیں۔

ولید: یہ جوتے بھی آپ رکھ لیجیئے ہماری طرف سے تحفہ تو بڑا دیں گے، وقت آنے کا انتظار کیجیئے ہم کو جو خوشی ملی ہم اس سے بڑی خوشی آپ کو دیں گے۔

(تیسری اور آخری قسط آیئندہ ماہ)

☆......☆......☆

ناول ☆بند قباء کھلنے لگی جاناں☆

مصنفہ سعدیہ عابد

قسط نمبر 4۔

''حنین ابھی سو کر نہیں اٹھی۔''

''مما! اسے اٹھانے گئی تھی، مگر اسے تو بہت تیز بخار ہے۔'' ڈائننگ ٹیبل پر بریک فاسٹ کے لئے سب ہی موجود تھے، حنین کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔

''کیا۔۔۔؟ تم ایسا کرو ڈاکٹر کو فون کر دو، آپ سب ناشتہ کر لیں، آپ لوگوں کو دیر ہو رہی ہے، میں جا کر دیکھتی ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھیں۔

''مما! میں آپ کے ساتھ چل کر۔۔۔!''

''اس کی ضرورت نہیں ہے راحم! تم ناشتہ کرو اور آفس جاؤ، میں ہوں ناں، دیکھ لوں گی۔'' وہ عجلت میں مائدہ کے روم کی طرف بڑھی تھیں بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بری طرح جل رہی تھی۔

''حنین بیٹا! آنکھیں کھولو۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پیار سے بولی تھیں۔

''مما! ڈاکٹر سکینہ آ گئی ہیں'' ڈاکٹر سکینہ ان کی ہی لائن میں ۳ بنگلے چھوڑ کر چوتھے بنگلے میں رہتی تھیں اور اس وقت وہ ہسپتال جانے کے لئے ہی نکل رہی تھیں، اس لئے فوراً ہی وہاں چلی آئی تھیں۔

''السلام علیکم مسز یوسف! کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر سکینہ خوشدلی سے خیریت دریافت کر رہی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے، یہ بھتیجی ہے میری حنین'' وہ اس کو چیک کر رہی تھیں، جب انہوں نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

"پریشان نہ ہوں مسز یوسف! بخار کچھ ہی دیر میں 'اتر جائے گا۔" پرسکرپشن انہیں دیتے ہوئے وہ بولی تھیں۔ وہ جو جانے کے لئے اجازت طلب کرنے لگی تھیں، مائدہ ان کے لئے چائے لے آئی تھی۔

"مائدہ! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی، میں ابھی ناشتہ کر کے ہی آئی ہوں۔"

"چلیں تھوڑی سی پی لیں، میں زیادہ بری چائے نہیں بناتی۔" اس نے مسکراتے ہوئے ٹرے ڈاکٹر سکینہ کے آگے کی تھی۔

"میں نے آپ کی بھتیجی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا یہ کسی دوسرے شہر میں رہتی ہیں؟"

"ارے نہیں بیٹا! آپ نے شازمین کی تصویر دیکھی ہے ناں، یہ انہی کے ساتھ رہتی ہے، شازمین میرے بڑے بھائی کی اور حنین چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے، جس کی کافی برس پہلے ڈیتھ ہوگئی تھی۔" وہ کچھ اداس ہوگئی تھیں۔

"شازمین وہی ہے نا جو آپ کی ہونے والی بہو ہے؟" وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

"مائدہ کی انگیجمنٹ جس سے ہوئی ہے وہ ان کے کیا لگتے ہیں؟"

"اسجد میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے، حنین کا فرسٹ کزن۔ آپ سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟ نجمہ کافی دنوں سے نظر نہیں آئی، طبعیت تو ٹھیک ہے؟" انہوں نے سکینہ کی ساس کا پوچھا تھا، وہ ڈیڑھ سال قبل ہی نجمہ کی بہو بن کر آئی تھی۔

"امی جان خیریت سے ہیں مگر آج کل آسیہ کے گھر گئی ہوئی ہیں اس کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے نند کا نام لیا تھا جس کی آٹھ ماہ قبل ہی شادی ہوئی تھی۔

"اب میں چلوں گی، مجھے ہسپتال جانا ہے، ان کی طبعیت کچھ ہی دیر میں سنبھل جائے گی، کوئی پریشانی والی بات ہو تو میرے سیل پر مجھ سے کونٹیکٹ کر لیجیئے گا۔"

سکینہ نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی تھی۔

"ممی ... ممی !" وہ نیم غنودگی میں ماں کو پکار رہی تھی، فریدہ اس کے سرہانے بیٹھے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں تقریباً 20 سے 25 منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔

"تھینکس گاڈ... بیٹا! کہ تم نے آنکھیں تو کھولیں ؟ میں تو ڈر ہی گئی تھی ،اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟" وہ ٹاول باؤل میں ڈالتے ہوئے اس کے زرد چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"پھپھو! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے رات مائدہ کے بہت کہنے پر بھی 4,2 لقمے ہی کھائے تھے۔

"تم جا کر منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لئے جوس لے کر آتی ہوں۔" وہ اتنا ہی بولی تھیں کہ مائدہ اس کے لئے جوس لے کر خود ہی آ گئی تھی۔

"مائدہ! جا کر حنین اور میرے لئے ناشتہ لے آؤ۔" وہ جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولی تھیں۔

"راحم اور ارحم چلے گئے؟" خیال آنے پر پوچھا تھا۔

"جی مما! دونوں چلے گئے ہیں اور پاپا پوچھ رہے ہیں کہ آپ ماموں جان کے ہاں کب تک جائیں گی؟ کیونکہ انہیں اپنے دوست کی طرف جانا ہے۔" وہ جاتے ہوئے پلٹ آئی تھی اور حنین واش روم کے ڈور کے پاس ہی رک گئی تھی۔

"پھپھو! میں وہاں نہیں جاؤں گی، کہیں آپ مجھے اپنے گھر میں نہیں رکھ"...

"تم فریش ہو کر آ جاؤ، تو زبردست قسم کی نیوز سناؤں گی اور بے فکر رہو، میں اب تمھیں اب کہیں نہیں جانے دوں گی۔" اسے کھڑے دیکھ تسلی دی تھی اور وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔

"بالکل پاگل ہے یہ لڑکی۔" وہ ایک سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

"پاپا سے کیا کہوں، آپ جائیں گی یا نہیں؟"

"ان سے کہہ دو گیارہ بجے تک جاؤں گی، اگر انہیں جلدی جانا ہو تو چلے جائیں میں ٹیکسی سے چلی جاؤں

گی۔" کمبل تہہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"مائدہ آپیا! آپ نے آملیٹ بہت مزے کا بنایا ہے، بالکل زرمنین آپی۔۔۔!" وہ جان کر ادھوری بات چھوڑ گئی تھی۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا، زرمنین کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے، وہ تو مجھ سے بھی زیادہ ذائقہ دار کھانا بناتی ہے۔" مائدہ نے اس کی ادھوری بات کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھایا تھا۔

"پلیز مائدہ آپیا! مجھے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی ہے۔" اس نے خفگی کے اظہار کرتے ہوئے آدھا کھایا ہوا سلائس پلیٹ میں واپس رکھ دیا تھا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

"ناشتہ تو پورا کر لو۔"

"بس پھپھو! میرا پیٹ بھر گیا ہے۔"

"تم زرمنین سے کیوں ناراض ہو، کیا پزرمین نے بھی تمہیں ڈانٹا ہے؟"

"نہیں زرمنین آپی تو بہت اچھی ہیں وہ ہمیشہ میری سائیڈ لیتی ہیں" وہ منہ پھلائے پھلائے ہی زرمن کی تعریف میں کہہ اٹھی تھی۔

" مگر شازمین بجو، وہ بہت گندی ہیں، وہ کبھی میری سائیڈ نہیں لیتیں، وہ تو ممی کی طرح یہ کرو یہ نہ کرو، کی گردان ہی کرتی رہتی ہیں"

"اچھا؟ شازمین ایسی لگتی تو نہیں ہے، لاسٹ ٹائم میں نے فون پر جب اس سے بات کی تھی تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی۔" مائدہ کے انداز میں کچھ حیرت سی تھی جبکہ وہ چونک گئی تھی۔

"شازمین بجو۔۔۔ اور میری تعریف کریں ناممکن، وہ تو مجھے زرمین آپی کی بہن نہیں لگتیں ممی کی چیلی لگتی ہیں۔"

"واٹ چیلی حنین!" مائدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

''مجھے ایگزیکٹ تو نہیں پتا، بٹ جو ممی کہتی ہیں وہ وہی کہتی ہیں اس لئے وہ ممی کی چیلی ہیں۔

''حنین! لڑکیوں کو دیر تک نہیں سونا چاہیئے، حنین! دوپٹے کو سلیقے سے اوڑھ کر رکھنا چاہیئے حنین یہ! حنین وہ۔''اس نے شازمین کی اور ساجدہ کی نقل اتارتے ہوئے برا سا منہ بنایا تھا۔

''بھابی جو کہتی ہیں تمہارے بھلے کے لئے ہی تو کہتی ہیں۔''انہوں نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بھلے کے لئے نہیں کہتیں، ہر وقت بس میرے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں، کوئی موقع جانے نہیں دیتیں، تایا ابو کے کندھے پر پیار سے بانہیں ڈالتی ہوں تو غصے سے گھورنے لگتی ہیں کیا وہ میرے تایا ابو نہیں ہیں؟ میں ان سے پیار نہیں کر سکتی، کوئی فرمائش نہیں کر سکتی؟ مگر ممی کہتی ہیں مجھے ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہیں؟۔ میں اب بڑی ہو گئی ہوں، مگر پھپھو! کیا جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہمیں اپنے پیرنٹس سے محبت نہیں کرنی چاہیئے؟ ممی کو جب کبھی پیار سے کس کر لیئی ہوں تو بھی مجھے ڈانٹنے لگتی ہیں، انہیں بس مجھے ڈانٹنے کا موقع چاہیئے ہوتا ہے۔''بات کرتے ہوئے خود بخود آنسو بہنے لگے تھے۔

''حنین! بھابی تم سے بہت محبت کرتی ہیں''

''نہیں وہ مجھ سے محبت نہیں کرتیں ہر وقت ڈانٹتی تو رہتی ہیں اور کل تو مجھے انہوں نے مارا بھی۔''

''صرف اس لئے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہیں، تمہیں ایک دم پرفیکٹ دیکھنا چاہتی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی تمہاری تعریف کرے گا تو ان کو خوشی ہو گی اور تمہاری چھوٹی چھوٹی شرارتیں انہیں بھی پسند ہیں اس کے باوجود وہ تمہیں ٹوکتی ہیں تو صرف اس لئے کہ تم کچھ مچور رہو جاؤ، کیونکہ انسان ہر وقت تو ہنسی مذاق نہیں کر سکتا اور کوئی تمہیں دیکھ کر یہ کہے کہ تم انٹر کی اسٹوڈنٹ ہو کر بچوں والی حرکتیں کرتی ہو تو وہ یہ نہیں سننا چاہتیں، کبھی کبھی لاڈ سے باپ کے کاندھے سے لگ جانا، ماں کا چہرہ چوم لینا بہت اچھا ہے، مگر ہر وقت یا کسی کے سامنے یہ سب کرنا، ہمارے امیج پر بعض اوقات برا اثر ڈال سکتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے انداز

سے سوچتا ہے، وہ تمہاری ایسی پیار بھری ادا کو پوزیٹو بھی لے سکتا ہے اور نیگیٹو بھی اور ہمیں تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا تاثر ہمیشہ مثبت ہی پڑے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے حنین۔! کہ جب کبھی مجھے رات میں ڈر لگتا ہے یا نیند نہیں آ رہی ہوتی تو مما کو میں اپنے کمرے میں بلا لیتی ہوں اور مما کے بازو پر سر رکھ کر ان کا ہاتھ تھام کر سو جاتی ہوں، اگر میں روز روز ایسا کروں گی تو ڈرپوک مشہور ہو جاؤں گی۔" آخری بات کہہ کر مائدہ ہنستے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ تو ممی بھی کہتی ہیں مجھے روز ہی رات کو سوتے میں ڈر لگتا ہے اور میں اپنے کمرے سے ممی کے کمرے میں آ جاتی ہوں تو ممی کہتی ہیں میں اکیلے سونے کی عادت ڈالوں ورنہ سب مجھے ڈرپوک کہیں گے اور اس بات کا شازمین بجو تو بہت ہی مذاق بناتی ہیں، مگر مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے تو کیا کروں؟" وہ کچھ بے بسی سے مائدہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"میری طرح بریو بنو یار! مجھے زیادہ ڈر لگتا ہے کبھی تو میں آنکھیں سختی سے میچ کر آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیتی ہوں اور پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب سو جاتی ہوں مگر روز مما کو پریشان نہیں کرتی۔"

"اچھا... اب میں بھی ایسا ہی کروں گی اپیا! کیونکہ مما کو میں پریشان نہیں کرنا چاہتی، میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔"

"وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور کتنا تمہارا خیال رکھتی ہیں، سچ کہوں ناں حنین! تو کبھی کبھی مجھے تم سے جیلسی فیل ہوتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ کاش مامی میری مما ہوتیں۔"

"آپ... ایسا سوچتی ہیں؟ پھپھو بھی تو آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟"

"مما مجھے واقعی بہت پیار کرتی ہیں لیکن اتنا نہیں جتنا مامی تم سے کرتی ہیں تمہیں ماموں اور ممانی جان بھی بہت پیار کرتے ہیں، مما اور پاپا کو ہر وقت تمہاری فکر لگی رہتی ہے، زرمین اور شازمین کو تمہارا کتنا خیال رہتا ہے، تم بہت لکی ہو حنین! مجھ سے بھی زیادہ، کیونکہ تم تینوں فیملیز میں سب سے چھوٹی ہو، اس لئے ہر

کسی کو تمہاری فکر رہتی ہے، سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں"

"یہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اپیا! سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں لیکن میری رائے اہمیت نہیں رکھتی کبھی کہنا چاہتی ہوں تو چھوٹا کہہ کر کبھی ممی تو کبھی تائی جان چپ کروا دیتی۔ اب دیکھیں میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تایا ابو تو راضی بھی ہو گئے، مگر ممی ... وہ کہتی رہتی ہیں کہ میں ابھی بچی ہوں، اتنی بڑی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی اور اسجد بھائی ... انہیں تو میری ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے، تو وہ یہاں کیوں پیچھے رہتے؟" فریدہ نے اس کی ذات کا درست تجزیہ کیا تھا کہ وہ ان سب کی محبتوں کی اس قدر عادی ہو گئی تھی کہ ذرا سی کمی اسے ان سب سے ہی بدگمان کر دیتی تھی۔

"اسجد اگر تمہیں کسی بات سے منع کرتا ہے تو وہ تمہارا خیال بھی تو رکھتا ہے، آئس کریم، چاکلیٹ، کتابیں جو تم منگواتی ہو یا جو تمہیں پسند ہے وہ تمہارے کہنے سے تو کبھی بغیر کہے تمہیں لا کر دیتا ہے اور وہ تمہارا بھائی ہے، کیا اس کا اتنا حق نہیں ہے کہ وہ تمہیں کچھ برا کرنے سے روکے؟"

"جاب کرنا برا ہے پھپھو؟"

"نہیں بالکل نہیں، مگر ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے، جب تم ماسٹر کی ڈگری لے لو گی، جب تم ایسی کوئی بات کرتیں تو اسجد کبھی منع نہیں کرتا، مگر ابھی تمہارا انٹر کا رزلٹ آؤٹ نہیں ہوا اور تم آفس جوائن کرنا چاہیئے ہو تو وہ تمہیں منع ہی کرے گا۔"

"وہ مجھے پیار سے بھی کہہ سکتے تھے، مگر انہوں نے اتنے سخت لہجے میں بات کی اور تو اور مجھے تھپڑ بھی مارا۔" کل کی بے عزتی یاد کر کے اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"تمہیں اسجد نے کب تھپڑ مارا؟ جب تم نے اس سے بدتمیزی کی یا تم جسے ہی اس سے بات کرنے لگی اس نے تمہاری سنے بغیر تمہیں تھپڑ مار کر کمرے سے نکال دیا۔"" فریدہ اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھیں کہ وہ اب کیا جواب دیتی ہے اور کس طرح دیتی ہے؟

''وہ... پھپھو! میں؟ نے ان سے بدتمیزی کی تھی۔''وہ کافی دیر بعد اٹک اٹک کر بولی تھی اور وہ کچھ شرمندہ سی بھی نظر آ رہی تھی یہ اعتراف کرتے ہوئے۔

''اسجد بھائی نے کہا تھا وہ کچھ پریشان ہیں اس لیئے وہ مجھ سے صبح بات کریں گے، لیکن میں نے ان کی یہ بات نظر انداز کر دی اور بہت غصے میں جو دل میں آیا کہتی چلی گئی، میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ آفس پر صرف ان کا نہیں میرا بھی حق ہے، ان کے روکنے کے باوجود میں آفس جوائن کروں گی اور انہوں نے مجھے تھپڑ مار کر چپ رہنے کو کہا، مگر میں ان سے بدتمیزی کرنے لگی جبکہ وہ مجھ سے سوری کرنا چاہتے تھے شاید غلطی میری ہی تھی، مجھے ان سے زبان نہیں چلانی چاہئے تھی۔''وہ بات کے آخر تک اپنی غلطی کا اعتراف کر گئی تھی۔

''بات اتنی سی ہے حنین! کہ ہمیں دوسرے کو کبھی ایسا موقع ہی نہیں دینا چاہئے، اگر وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا تم خاموش ہو جاتیں، غصے میں تو بس بات ہی خراب ہوتی ہے اور جس طرح تم غصے میں گھر سے نکلی اگر کچھ ہو جاتا تو...؟''وہ اس کا سر کاندھے سے لگائے پیار سے تھپک رہی تھیں۔

''وہ سب بس غصے میں ہوا، مجھے لگا کہ مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا۔''

''سب کتنا پریشان ہو گئے تھے، بھابی کا تو رو رو کر برا حال تھا اور بھابی جان نے اسجد کو کس قدر ڈانٹا، تم نے سوچا ہے اگر ارحم وہاں نہ پہنچتا تو کیا ہوتا؟ یہ دنیا بہت خراب ہے بیٹا! اور لڑکیوں کو بے سوچے سمجھے گھر سے قدم نہیں نکالنا چاہئے۔''وہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری پھپھو! ایسی غلطی میں پھر کبھی نہیں کروں گی، میں سب سے معافی بھی مانگ لوں گی، سب کو بہت پریشان کیا ہے میں نے۔''

''معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، بس پکا وعدہ کرو آئندہ ایسا نہیں کرو گی، اگر کوئی بات گھر میں ہو جائے تو اس طرح ری ایکٹ نہیں کرو گی۔''

" کبھی بھی نہیں پھپھو!اس وقت میں کتنا ڈر گئی تھی ،وہ تو اچھا ہوا ارحم بھائی وہاں آ گئے ورنہ وہ ڈراؤنی شکل والے آدمی مجھے نجانے کہاں لے جاتے ،وہ اتنی واہایات گفتگو کر رہے تھے۔"

"اچھا اب اس قصے کو جانے دو،اس موضوع پر ہم کبھی بات نہیں کریں؟"انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

"اوہ گاڈ... حنین!تم بہت فضول لڑکی ہو،صبح سے ہمیں باتوں میں لگایا ہوا ہے،مجھے ابھی جبکہ گھر کی صفائی اور کچن کی صفائی بھی کرنی ہے،اس لئے میں تو چلی کام کرنے تم اب صرف مما کا دماغ کھاؤ۔"وہ جلدی جلدی کہتی ناشتہ کے برتن اٹھانے لگی تھی۔

"میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے باتیں کریں،مجھ سے بات کرنا اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو میں اپنے گھر چلی جاتی ہوں۔"ان دونوں کا دل چاہا تھا کہ اپنا اپنا سر پیٹ لیں ،تو اس میں بچپنا تھا کہ وہ مذاق سمجھتی تھی نہ کوئی بات اور ہر ایک بات دل پر لے جاتی تھی اور پھر وہ ہوتی تھی اور اس کے واویلے کہ "مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا،سب مرا مذاق اڑاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

" کوئی بھی !اپنے گھر کو چلی جاؤں گی ؟ یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟"

"میں تو سمجھتی ہوں جبھی تو آئی ہوں،مگر آپ کو مرا آنا شاید پسند نہیں آیا۔"

"ایک لگاؤں گی نا تو عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ میں تو کب سے تمہیں بلا رہی ہوں،مگر تمہارے نخرے ہی نہیں ملتے ،مجھے تو لگتا ہے کہ شاید میں تمہیں اچھی ہی نہیں لگتی تمہیں تو صرف زرمین ہی اچھی لگتی ہے۔"

اس کا موڈ اسی طرح ٹھیک کیا جا سکتا تھا ،جیسے وہ دوسروں کو اموشنل بلیک میل کرتی تھی ،دوسروں کی اموشنل بلیک میلنگ میں بھی لمحوں میں آ جاتی تھی اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔

"نہیں اپیا!سچی ایسی کوئی بات نہیں ہے،آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"رہنے دو بس،دل مت رکھو میرا۔"

"پھپھو! آپ کچھ بولیں نا ان سے۔"

"بھئی میں تم دونوں کے معاملے میں کچھ بول کر کیوں بری بنوں؟" وہ صاف پہلو بچا گئی تھیں جبکہ دل ہی دل میں بھتیجی کی معصومت پر ہنس رہی تھیں۔

"اپیا! میں سچ کہہ رہی ہوں، آپ مجھے بہت بہت اچھی لگتی ہیں، یقین نہیں آرہا تو اسجد بھائی سے فون کرکے پوچھ لیں، میں ان سے آپ کی بہت تعریف کرتی رہتی ہوں۔" وہ اپنی ایکسائٹمنٹ میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے تک اسجد سے ناراض تھی۔۔

"مجھے تمہاری بات پر یقین آگیا ہے۔" وہ کچھ جھعپ کر بولی تھی۔

"تم اسجد سے کیا کہتی ہو؟" فریدہ بیٹی کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

"یہی پھپھو! کہ مائدہ آپی بہت اچھا کھانا بناتی ہیں، ان کی پینٹنگ بہت اچھی ہے، ہر کام صفائی سے کرتی ہیں۔" وہ ان کی شرارت سمجھے بنا لسٹ گنوا رہی تھی اور وہ شرمگین مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی جبکہ حنین اسے آوازیں ہی لگاتی رہ گئی تھی۔

"جانے دو اسے، ابھی بہت کام کرنے ہیں اور تم یہ ٹیبلیٹس کھالو، بخار کی حرارت سی ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے وہ دوائیں جو ڈاکٹر سکینہ دے کر گئی تھیں دی تھیں۔

"پھپھو! آپ مجھے زبردست بات بتانے والی تھیں۔" اسے ایک دم خیال آیا تھا اور وہ فوراً ہی پوچھ بیٹھی تھی تاکہ ان کا ذہن بٹ جائے کیونکہ وہ داؤں کی تو سدا سے چور تھی، ساجدہ اور زرمین ہی بہت مشکل سے کھلاتی تھیں۔

"ہاں، دیکھو ذرا باتوں میں ذہن سے ہی نکل گیا یوسف بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ بیڈ سے پاؤں لٹکا کر چپل ڈھونڈنے لگی تھیں۔

"بات مجھے بھی تو بتائیں۔"

"زرمین کی شادی کی تاریخ لینے مہوش کی پوری فیملی آرہی ہے۔"

" کیا مطلب پھپھو؟"

"مطلب یہ کہ اسی ماہ زرمین اور فضیل کی شادی ہے۔"

" کیا... سچ پھپھو! کتنا مزہ آئے گا۔" وہ بیڈ سے اچھل کر ان کے کاندھے پر جھول گئی تھی۔

" پھپھو! میں تو بہت سارے کپڑے، ان کی میچنگ جیولری سینڈلز، چوڑیاں ایک ایک چیز خریدوں گی۔"

"ہاں بھئی، جو چاہے لے لینا میں اور یوسف جارہے ہیں بھائی صاحب کے ہاں، تم مائدہ کے ساتھ ہی رہنا، میں رات تک آجاؤں گی۔" وہ اپنے کاندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتیں چپل پہن کر کھڑی ہوگئیں تھیں۔

" کیا۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جارہی؟" وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

"ہاں... تم کیوں جاؤ گی، خود ہی تو کہہ رہی تھیں، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، میں تمہیں اپنی پیاری بیٹی بنا کر رکھوں گی۔" وہ اس کی حیرت کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے نہایت اطمینان سے بولی تھیں۔

" آپ کی بیٹی تو میں ہوں پھپھو! مگر میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا، مس ژ ہمیشہ کے لئے آپ کے پاس رہنے نہیں آئی، میں تو ممی اور تایا ابو کے پاس آج ہی جاؤں گی، مجھے ان سے سوری بھی تو کرنی ہے۔"

" دیٹس لائک آ گڈ گرل! تم مائدہ کی الماری سے کپڑے نکال کر پہن لو اور تیار ہو جاؤ، زرمین کے سسرال والے آرہے ہیں تو تمہیں یہاں چھوڑ کر تھوڑی جاؤں گی، مگر وعدہ کرو بہت سارے دنوں کے لئے رہنے آؤ گی؟"

"پکا پرامس پھپھو! زرمین آپی کی شادی کے بعد پورے 15 دن کے لئے رہنے آؤں گی۔" اس نے مزے سے کہتے ہوئے بیڈ سے چھلانگ لگائی تھی۔

"بس یہی تمہاری حرکتیں، بھابی کو پریشان کئے رکھتی ہیں۔" انہوں نے کہتے ہوئے اس کا کان پکڑا تھا

اور وہ ہنسنے لگی تھی۔

"می کو تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا ہے پھپھو! کیونکہ وہ ہر وقت چپ اور سنجیدہ سی بیٹھی رہتی ہیں، میری حرکتوں پر مجھے ڈانٹتیں اور ہنستی ہوئیں بہت اچھی لگتی ہیں، اسی لئے تو میں جان کر می کو بہت ستاتی ہوں۔" اس نے اپنی ہی دھن میں کہا۔

"ان کی باتوں کا برا مت منایا کرو، بلکہ وہ جو کہتی ہیں اسے غور سے سنا کرو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کیا کرو۔"

"پرامس پھپھو! آج سے می کی ہر بات غور سے سنوں گی، لیکن کچھ باتیں رہنے بھی دوں گی، ورنہ میں اتنی سی عمر میں می کی طرح ایک دم سنجیدہ ہو جاؤں گی۔"

"بہت شرارتی ہو جنین!" وہ ہنستی ہوئی بھتیجی کا شانہ تھپکتیں اس کی شرارت پر ہنستیں اسے تیار ہو کر آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھیں اور اس نے مائدہ کی وارڈروب میں سے سب سے اسٹائلش سوٹ نکالا تھا اور شاور لینے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"بھابی بیگم! آپ فکر کیوں کرتی ہیں سارے کام ہو جائیں گے۔" وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھیں اور آنے سے پہلے کال کر کے کہہ دیا تھا کہ جنین سے کچھ نہ کہا جائے، جو ہو گیا' سو ہو گیا باتیں دہرانے سے کیا حاصل۔ جنین نے آتے ہی ان سے سوری کی تھی اور آفس جوائن نہ کرنے کا بھی بتا دیا تھا اور ان سب نے بلا ٹلنے پر اطمینان محسوس کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا تھا۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ کس طرح ہوں گے سب کام؟"

"آپ دیکھتی جائیے سب کام وقت سے پہلے کس طرح نمٹتے ہیں، یہ بتائیے رات کا مینیو تیار کر لیا آپ نے؟"

"ہاں؟ میں سوچ رہی تھی کہ بریانی، قورمہ، کسٹرڈ میٹھے میں بن جائے گا، اس کے علاوہ کباب اور سلاد وغیرہ ہو جائے گی، تمہیں کچھ کم لگ رہا ہے تو بتاؤ؟"

"ایک دم پرفیکٹ بھابی! آپ جلدی جلدی سامان کی لسٹ بنالیں جاؤ حنین! کاپی پنسل لے کر آؤ۔" انہوں نے حنین کو دوڑایا تھا۔

"میں چلوں، آپ خواتین کی سودا سلف کی باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں۔" چائے ختم کرتے ہی وہ جانے کے لئے اٹھ گئے تھے۔

" کیا چلوں... بیٹھ جائیے، یہ سارا سودا سلف لے کر کون آئے گا؟" وہ شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

"فریدہ! بھائی جی کو جانے دو، میں اسجد کو بلالوں گی، وہ کہہ کر گیا تھا۔"

"اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس، یوسف آپ بس 10 منٹ رک جائیے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی باقی باتیں گاڑی میں بتادوں گی۔" اسی وقت حنین مطلوبہ چیزیں لے کر آ گئی تھی۔

"بھابی! آپ بتاتی جائیے، حنین لسٹ بنالے گی۔" انہوں نے کہتے ہوئے زرمین کو آواز لگائی تھی۔

"آپ نے بلایا تھا پھپھو!" وہ اس کا جائزہ لے رہی تھیں جب اس نے پوچھا تھا اور وہ اس کے صاف ستھرے کاٹن کے سوٹ سے مطمئن ہوگئی تھیں۔

"تم جا کر اپنا ہینڈ بیگ لے آؤ۔"

"پھپھو! آپ زرمین آپی کو لے جائیں گی تو کھانا کون بنائے گا؟" لسٹ بناتے ہوئے اس کی زبان ہلی تھی۔

"ایک صرف تمہاری آپی کو کھانا بنانا نہیں آتا، ہم تینوں خواتین بھی یہ کارنامہ اچھے سے انجام دے لیا کرتی ہیں اور تم ادھر ادھر دھیان نہ دو، بھابی جو بتا رہی ہیں توجہ سے لکھو، کوئی ایک چیز بھی لانے سے رہ گئی تو مسئلہ بنے گا اور تم کھڑی کیوں ہو، جاؤ اور ہاں رات میں پہننے کے لئے اسٹائلش سا سوٹ اور اس کی

مچینگ کی ہر چیز بھی نکالتی آنا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا ساتھ ہی لے آؤں گی۔" وہ فریدہ کی ہدایت پر وہاں سے نکل گئی تھی۔

"شازمین !تم حنین کے ساتھ مل کر صفائی کر لینا اور تمہیں تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؟" شازمین نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ویری گڈ حنین !تم نے بہت ہی زبردست لسٹ بنائی ہے، آئی ایم ایمپریس۔" اس کے ہاتھ سے لسٹ لی تھی اور ان کی تعریف پر ایک فخریہ مسکراہٹ حنین کے چہرے پر سج گئی تھی۔

"تھینک یو پھپھو!"

"حنین !تم شازمین کی مدد کروا دینا، زرمین کو پارلر لے کر نہ جانا ہوتا تو میں تم سے نہیں کہتی اور تم تو جانتی ہو یہ شازمین کم اور زرمین زیادہ کام کرتی ہے، تم مدد کروا دو گی تو سارا کام جلدی ہو جائے گا۔" وہ سب فریدہ کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں، ورنہ تو شازمین اپنا ہر کام نہایت ذمہ داری اور پھرتی سے ہی کرتی تھی۔

"پھپھو! آپ فکر نہ کریں، میں شازمین بجو کے ساتھ برابر سے کام کرواؤں گی۔" اتنی تعریف سننے کے بعد وہ کافی ایکسائٹڈ ہو چکی تھی۔

"اچھا، اب جا کر زرمین کو بلا لاؤ، کافی دیر ہو رہی ہے۔"

"پھپھو! آپ کو میں ایسی لگتی ہوں؟" وہ حنین کے منظر سے ہٹتے ہی خفگی سے بولی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا! میں نے تو بس حنین کا دل رکھنے کو کہا اور تم خود سوچوں میں یا کوئی بھی اسے یہ برتن بھی اٹھا کر کچن میں رکھ کے آنے کو کہتا تو وہ منع کر دیتی مگر اب دیکھنا وہ تمہارے ساتھ کام کروائے گی اور وہ بھی خوشی خوشی۔" انہوں نے شازمین کا گال تھپتھپایا تھا۔

"میں جب تک سامان لے کر آتی ہوں، آپ لوگ چھوٹے موٹے کام نمٹا لیں۔" یہ آتی ہوئی زرمین' کو

دیکھ کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اور میں زرمین کو اپنے ساتھ اس لئے لے جا رہی ہوں کہ اسے پارلر چھوڑ دوں گی، کٹنگ، فیشل مینی کیور اور پیڈی کیور ہو گا جتنی دیر میں؟ میں بھی فارغ ہو جاؤں گی۔" وہ اپنا پرس اٹھاتیں باہر نکل گئی تھی۔

"یوسف! آپ پہلے زرمین کو پارلر چھوڑیں اور پھر مجھے چھوڑ کر دوست کی طرف نکل جائیں، میں فارغ ہو کر آپ کو کال کر کے بلا لوں گی۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

"او کے مادام! جسے آپ کہیں، ورنہ میں آپ کے ساتھ بھی چل سکتا ہوں، دوست کی طرف جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے، خادم آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے۔" مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے شرارت سے کہا گیا تھا۔

"خادم صاحب! زیادہ پھیلئے مت، پیچھے بچی بیٹھی ہوئی ہے کیا سوچے گی؟"

"بچی بہت اچھی ہے، اس لئے اچھا ہی سوچے گی۔" ان پر گویا کوئی اثر نہ ہوا تھا اور وہ دلکشی سے ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"پھپھو! وہ میں کا اکیلے پارلر میں کیسے 'رہوں گی؟" ان کی آپس کی نوک جھوک کے اختتام پر وہ کچھ سوچ کر بولی تھی۔

"کیا مطلب... کسے رہو گی؟ وہ زرمین میری فرینڈ کا پارلر ہے، جہاں میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں، یو ڈونٹ وری اور تم گھر پر کہتیں تو میں حنین کو ہی ساتھ لے آتی۔"

"پھپھو! میں تو سمجھی تھی کہ آپ ساتھ جائیں گی۔"

"بیٹا! ایک کام نہیں ہے، سو بکھیڑے ہیں، اس لئے میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی اور بعد میں سامان

خریدیں گے تو اس طرح پورا دن اسی میں گزر جائے گا۔"

"زرمین بیٹی بھی ٹھیک کہہ رہی ہے فریدہ! یہ وہاں اکیلے نروس فیل کرے گی، تمہیں اس کے ساتھ پارلر میں چھوڑنے کے لئے کسی کو تو لانا ہی چاہئے تھا۔"

" مگر ہم کافی دور نکل آئے ہیں، واپس جائیں گے تو ٹائم ویسٹ ہوگا۔"

"میں ایسا کرتا ہوں پہلے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور بعد میں زرمین بیٹی کو چھوڑ دوں گا، میں تمہیں چھوڑ کر حنین"...

"حنین کو رہنے دیں یوسف! پارلر ہمارے گھر کے نزدیک ہے اس لئے آپ مائدہ کو زرمین کے ساتھ چھوڑ دیجئے گا، وہ اب تک اپنے کاموں سے فارغ بھی ہوگئی ہوگی، میں اسے فون کر کے تیار ہونے کا کہہ دیتی ہوں۔" وہ گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھیں۔

"مائدہ بیٹا! کیا کر رہی تھیں؟ سب کاموں سے فارغ ہوگئیں۔؟"

"جی مما! سب کام ہوگئے ہیں، شاور لے کر نکلی ہوں ابھی، بس دوپہر کے لئے کچھ بنانے جا رہی ہوں ،ارحم بھائی کا فون آیا تھا، وہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر آرہے ہیں، پھر شاید انہیں کہیں جانا ہے۔"

ایک ہاتھ سے سیل تھامے اور دوسرے سے بالوں میں برش کرتی وہ آئینہ کے سامنے کھڑی تھی۔

"ایسا کرو تم تیار ہو جاؤ تمہیں پاپا لینے آرہے ہیں، تمہیں زرمین کے ساتھ پارلر جانا ہے اور ارحم سے میں خود کانٹیکٹ کرلوں گی۔" انہوں نے بیٹی کو ہدایت دے کر لائن کاٹی تھی اور ارحم کا نمبر ملانے لگی تھیں۔

"جی مما! کہئے کیسے فون کیا؟"

"ارحم بیٹا! کب تک گھر آرہے ہو؟"

"مما! ڈیڑھ گھنٹہ تو کم از کم لگے گا، کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا۔"

"اوکے، گھر جاتے ہوئے مجھے یہاں مال سے پک کرلینا۔"

"او کے مما! آپ جب فارغ ہو جائیں مجھے بتا دیں اور اگر میں۔ پہلے فارغ ہو گا تو آپ سے کانٹیکٹ کر لوں گا۔" لائن کٹ کر کے سیل پرس میں ڈال دیا تھا۔

"زرمین! جب پارلر سے فارغ ہو جاؤ اپنے پھپھا جان کو فون کر کے بلا لینا، آپ بچیوں کو گھر چھوڑ دیجئے گا میں ارحم کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

"مائدہ کو کہاں چھوڑنا ہے؟" گاڑی مطلوبہ جگہ روکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یوسف! آپ دیکھ لیجئے گا اگر آپ کو مناسب لگے تو بھائی صاحب کے ہاں لے جائیے گا، ورنہ پہلے اسے گھر ڈراپ کر دیجئے گا۔" وہ کہتے ہوئے پرس اور دوپٹہ سنبھالتیں گاڑی سے اتر گئی تھیں اور وہ گاڑی بڑھا لے گئے تھے، فریدہ نے خریداری سے فارغ ہو کر بیٹے کو کال کی تھی اور ارحم نے انہیں 15 منٹ بعد ہی پک کر لیا تھا اور وہ اس کے ساتھ سامان سے لدی پھندی "کاشانۂ عالم" چلی آئی تھیں۔

☆☆☆

"پھپھو! سلاد میں بناؤں گی۔"

"نہیں حنین! سلاد مائدہ بنا لے گی، تم ایسا کرنا پلیٹوں میں سلیقے سے سجا دینا۔" یوسف الحسن مائدہ کو کاشانۂ عالم ہی لے آئے تھے اور ان کے پوچھنے پر بولے تھے۔

"یہ مائدہ کا سسرال بعد میں اور ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لئے مائدہ کو یہاں لے آیا، ٹھیک کہا نا میں نے؟"

"جناب! آپ کچھ غلط کرتے ہی کب ہیں، تھینک" "مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ بھی دھیمہ سے مسکرا دیئے تھے۔

"میں گھر جا رہا ہوں فری! شام تک آ جاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر ارحم بھی ان کے ساتھ نکل گیا تھا، شازمین نے دوپہر کے کھانے کے برتن سمیٹ کر دھوئے تھے اور جب سے ہی

ساری خواتین بے حد مصروف تھیں۔فریدہ نے بریانی،ساجدہ نے قورمہ،راشدہ نے کباب بنانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی اوراب حنین راشدہ کے ساتھ مل کر کبابوں کے مسالے کی ٹکیاں بنوارہی تھی۔

"فریدہ!تم نے ایک ہی رات میں جادو کر دیا ہے،ہر کام یہ کتنی ذمہ داری سے سب کے ساتھ مل کر کروا رہی ہے،ورنہ تو ہل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی۔"بیٹی کو دیکھتے ہوئے وہ سرگوشی میں بولی تھیں۔

"بھابی!آپ سے کہا تھا نا میں نے حنین کو پیار اور توجہ دی جائے گی تو یہ ہماری امیدوں سے بڑھ کر ثابت ہوگی ،ڈانٹ پھٹکار سے صرف دور ہوگی اور آپ نے اس وقت چہرہ دیکھا تھا اس کا جب میں نے اس کی بنائی لسٹ کی تعریف کی تھی ،اس کے معمولی سے کام کی بھی تعریف کریں گی نا تو یہ اس سے بھی اچھا کرنے کی کوشش کرے گی اور دیکھئے گا پھر ایک دن ایسا آئے گا جب یہ زرمین اور مائدہ سے اچھا کھانا بنائے گی۔"وہ بریانی کو دم لگاتے ہوئے حنین کے حوالے سے پر امید تھیں۔

"تھینکس فریدہ!تمہاری مورل سپورٹ میرے لئے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی ہے،میں ماں ہو کر حنین کو نہیں سمجھ سکی اور تم!"

"بھابی!بریانی کو تھوڑی دیر بعد الٹ پلٹ دیجیئے گا؟میں مہوش سے فون کر کے پوچھ آؤں کہ وہ لوگ کب تک آئیں گے؟"وہ ان کی بات کاٹ کر کہتیں باہر نکل گئی تھیں۔

"بھابی بیگم!باقی کام بچیاں دیکھ لیں گی،آپ دونوں ایک گھنٹہ آرام کرلیں وہ لوگ 7 بجے تک آئیں گے اور شازمین!تم کسٹرڈ بنالو،مائدہ!کھیر دیکھ لینا بن گئی ہے بس،اب تم اسے پیالوں میں نکال لینا اور یہ سب کام جلدی جلدی فائنل کر کے ڈائننگ ٹیبل سجا دینا،باقی مہمانوں کے آنے کے بعد دیکھ لیں گے اور یہ سب کام جلدی کرنا کیونکہ تم دونوں نے تیار بھی ہونا ہے۔"وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی تھیں اور کچن سے نکل گئی تھیں۔

"مائدہ اپیا'!آپ کون سے کپڑے پہنیں گی؟آپ کپڑے لے کر تو آئی نہیں؟"حنین گاجر کھاتے ہوئے

کارنر پر بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے آتے ساتھ ہی میرا سوٹ اتار دیا ہوتا تو میں؟ یہی پہن لیتی مگر اب سوچا ہے زرمین کا سوٹ پہن لوں گی، شاز مین' نے سب کے کپڑے استری بھی کر دیئے ہیں، یہاں تک کہ تمہارے بھی کپڑے استری ہو گئے ہیں۔" وہ پیالوں میں کھیر نکالتے ہوئے اسے دیکھے بنا مصروف انداز میں بتا رہی تھی۔

"میں آپ کا سوٹ ابھی آپ کو اتار کر دے دیتی ہوں، مجھے تو پھپھو نے کہا تھا اس لئے پہن لیا ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی کے کپڑے پہننے کا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ سوٹ تم ہی رکھ لو، میں نے ایک دفعہ ہی پہنا ہے اور مجھ سے زیادہ تم پر جچ رہا ہے، یقین نہ آئے تو شاز مین سے پوچھ لو اور حنین! تم کھیر کے پیالوں میں چاندی کے ورق اور پستے و بادام سے گارنشنگ کر دو۔" اسے کچھ کہنے سے پہلے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے بعد اس نے کام بتایا تھا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں، اس لئے میں نہیں کر رہی۔" اس کے انداز میں نروٹھا پن تھا۔

"اچھا، ہاں رہنے دو، آج تم نے سب کی ہی ہیلپ کی ہے اس لئے جا کر آرام کر لو ہم فارغ ہو کر آئیں گے تو ساتھ ہی تیار ہو جائیں گے۔" وہ اپنا کام چھوڑ کر فوراً اس تک آئی تھی اور پیار سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

"میں یہ سب کر دیتی ہوں، اس کے بعد چلی جاؤں گی اور اب مجھے سلاد بھی تو سیٹ کرنی ہے ورنہ پھپھو کہیں گی، میں اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔" وہ مسکراتے ہوئے کارنر سے اتری تھی اور کام کرنے لگی تھی۔

"شاز مین بجو! آپ نے میرے کون سے کپڑے نکالے ہیں؟ میں نے تو آپ کو اپنے روم میں بھی جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔" یاد آنے پر وہ پستے چھڑکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"میں نے تمہارا سی گرین سوٹ جو تم نے لاسٹ منتھ بنایا تھا وہ پریس کر دیا ہے۔"

"وہ کیوں بجو؟ اس کی تو چوڑیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی میچنگ سینڈل ہے، وہ سوٹ تو ممی نے مجھے گھر

میں پہننے کے لئے بنا کر دیا تھا، اس لئے اس کی میچنگ کی چیزیں نہیں ہیں میرے پاس۔"

"بے فکر رہو؟ تمہیں ہر ایک چیز میچنگ کی ملے گی، آفٹر آل تم زرمین آپی کی سب سے لاڈلی اور چہیتی بہن ہو۔"

"وہ تو ہے، زرمین آپی مجھے آپ سے زیادہ چاہتی ہیں اور میں ان کے جانے کے بعد ان کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

"اب رونے مت بیٹھ جانا، مہمان آنے والے ہیں اور تمہارا کام ختم نہیں ہوا تو سب کا کہیں گے؟"

شازمین کی بات پر وہ آنکھ میں آ جانے والے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

☆☆☆

"میں تو چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم دونوں بچوں کی ایک ہی دن ایک ہی ہال میں شادی کر لیتے ہیں آخر سمیرا ابھی تو میرے لئے میری بیٹی جیسی ہے۔" نوید عالم نے خلوص سے ایک آفر کی تھی، جس کو سب ہی سراہ رہے تھے۔

"بھائی صاحب! بات تو نوید بھائی صاحب نے بہت اچھی کی ہے، ہم بھی الگ الگ فضیل اور فیصل کی برات لے جانے سے بچ جائیں گے، یہ دونوں بھائی اور وہ دونوں بہنیں ایک ساتھ ہی رخصت ہو جائیں گی۔" فیاض حمایت میں بولے تھے۔

"یہ تو نوید کی اعلیٰ ظرفی ہے جو یہ اتنی اپنائیت سے بات کر رہے ہیں۔"

"بھائی صاحب! تو بس طے ہو گیا ۲۴ کو مایوں اور مہندی کی رسم چاروں بچوں کی ایک ساتھ ہو جائے گی، 25 کو برأت اور 26 کا ولیمہ یہاں کوئی غیر نہیں اس لئے جتنی اپنائیت سے اور دل بڑا کر کے آج ہم نئے رشتوں کی بنا کر رکھیں گے، اتنی ہی ہمارے بچوں کی آنے والی زندگی خوشگوار گزرے گی۔" مہوش

نے خلوص سے نوید عالم کے مشورے کو سراہتے ہوئے سارا پروگرام طے کر دیا تھا۔

"جیسے آپ سب کی مرضی، میں تو بس تمہاری اور سب کی خوشی میں خوش ہوں۔" شاکر مسکراتے ہوئے ان کی بات مان گئے تھے۔

"میں مٹھائی لے کر آتی ہوں تا کہ سب کا منہ میٹھا کیا جا سکے۔" راشدہ کہتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئی تھیں۔

"اتنا بڑا کام تو خوش اسلوبی سے نمٹ گیا بس آگے کے کام بھی اچھے سے ہوں اور ہم سب بڑے بچوں کی شادی سے نمٹ جائیں۔" یوسف الحسن نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھا تھا۔

"انشاءاللہ! سارے کام اچھے سے نمٹ جائیں گے نیت نیک ہو تو منزل آسان۔" فیاض بولے تھے۔

"ایک بندہ تو یہ ذمہ داری نہیں سنبھال سکتا، اس لئے ہم سب مل کر ذمہ داریاں اٹھائیں گے تو کام نمٹ بھی جائیں گے اور کسی پر برڈن بھی نہیں پڑے گا اور یہ خوف بھی نکل جائے گا کہ اتنے کم وقت میں اتنے ڈھیر سارے کام کیسے ہوں گے؟" یوسف الحسن احترام بھری نگاہوں سے راشدہ کو دیکھتے ہوئے بولے تھے اور وہ ان کا اشارہ سمجھ کر محض مسکرا دی تھیں۔

"ہاں اور کیا، کام کم ہوتے ہیں مگر آرگنائزڈ طریقے سے نہیں ہوتے اور ساری ذمہ داری کسی ایک پر ہی ہو تو صحیح کام بھی غلط ہو جاتے ہیں۔"

اسی لئے تو ہم مل کر کام کریں گے، اب ہم خود ڈیسائڈ لیں گے کہ کون کا سا کام کون کرے گا۔"

"بھئی! مجھے تو کوئی آسان کام سونپ دینا، بیمار آدمی ہوں زیادہ کچھ نہیں کر سکوں گا۔" شاکر اپنائیت سے بولے تھے۔

"بھائی صاحب! فکر ہی نہ کریں اور آپ کوئی بیمار و بیمار نہیں ہیں، بیٹی کو خوشی خوشی رخصت کریں، کون سا کسی غیر کے گھر جا رہی ہے۔" یوسف الحسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

"کام کس طرح کرنے ہیں وہ تو ہم سوچ ہی لیں گے ؟ مگر میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمیں دینے دلانے کی بات کرلینی چاہیئے۔"

"بھائی صاحب! دینے والانے کی بات تو بالکل نہیں ہے، ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہمیں صرف زرمینن بیٹی چاہیئے، ہاں آپ زرمین کو جو چاہیں دیں، مگر جہیز وغیرہ کی بات بالکل نہ کریں۔ ہاں حق مہر اور جو چاہیں وہ آپ زرمین بیٹی کی لئے لکھوالیں۔"

"زرمین آج تک میری ہی بیٹی تھی، مگر آج سے وہ آپ کی بہو، آپ کی بیٹی ہے اور حق مہر شرع کے حساب سے رکھ لیں اس کے علاوہ ہمیں کسی قسم کی ضمانت نہں چاہیئے۔" نوید عالم نے صاف الفاظ میں اپنا موقف بیان کردیا تھا۔

"باقی باتیں میرا خیال ہے بعد میں طے کرلیں گے ؟ ابھی کھانا کھالیتے ہیں۔" فریدہ نے کہا تھا اور جواب مثبت پاکرانہوں نے شاز مین اور مائدہ کو بلاکر کھانا لگانے کو کہا تھا، بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا اور شادی کے متعلق چند ایک فیصلے ہوئے تھے، تینوں فیملیز کے افراد نے اپنے اپنے حساب اور مرضی سے ذمہ داری لے لی تھی کیونکہ ان کے پاس شادی کی تیاریوں کے لئے محض اٹھارہ دن تھے اور کتنے ہی کام نمٹانے تھے۔

☆☆☆

"آج آپ یہاں کا کیسے راستہ بھول گئے؟" سلام دعا کے بعد راحم سے استفسار ہوا تھا۔

"بس فرصت ہی نہیں ملتی، آج آفس سے لنچ ٹائم میں گھر آگیا تھا اور مما یہاں لے آئیں۔"

"اور آنا بھی فضول گیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ اس کی شرارت بالکل نہیں سمجھا تھا۔

"شاز مین بجو گھر پر نہیں۔" ہنستے ہوئے اطلاع فراہم کی تھی۔

''اچھا، پھر تو میں چلوں۔''وہ بھی شرارت سے بولا تھا۔

''ایسے کیسے؟ کیا آپ صرف شاز مین بجو سے ملنے آئے تھے؟''

''ملنے نہیں آیا تھا ہاں تو سکتا تھا لیکن ایسا پوسیبل ہی نہیں ہے تو چلتا ہوں، مجھے آفس پہنچنا ہے۔''وہ اس کے سر پر چپت لگاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

''کچھ دیر تو بیٹھو بیٹا! کم از کم چائے تو پی لو۔''ساجدہ اندر آتے ہوئے اس کے سلام کرنے کے ساتھ ہی اجازت طلب کرنے پر بولی تھیں۔

''مامی! پھر کبھی آؤں گا، ابھی تو میں صرف مما کو چھوڑنے آیا تھا، 4 بجے مری ایک میٹنگ ہے، اس لئے آفس پہنچنا ضروری ہے۔''وہ چائے کی آفر پھر کبھی پر ڈالتا ادب سے انہیں عذر بتا کر واپس چلا گیا تھا۔

☆☆☆

زرمن آپی! میں کیسی لگ رہی ہوں؟''حنین اس کے روم میں داخل ہوئی تھی اور اس کی نگاہ تو جسے اس پر جم سی گئی تھی، دھانی رنگ کی لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ، دھانی اور ریلو رنگ کا دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا، جس سے ذرا نیچے خوبصورت پنڈ ینٹ اپنی بہار دکھا رہا تھا، لانبے لانبے ہم رنگ آویزے کانوں میں سجائے، دونوں کلائیوں میں بھر بھر کانچ کی چوڑیاں پہنے اور لانبے بالوں کو پراندے میں سلیقے سے گوندھے، چند لٹیں ماتھے پر جھول رہی تھیں، لائٹ نیچرل میک اپ، آنکھوں میں کاجل''مسکارا اور آئی لائنر کی موٹی سی تہہ لگائے، وہ سجی سنوری اس کے سامنے تھی، وہ خوبصورت تو پہلے بھی تھی اور آج تو اس کی خوبصورتی دو چند ہو گئی تھی، چہرے پر لڑکپن و جوانی کا حسن امتزاج لئے وہ زرمین کو مبہوت کر گئی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں کیا اچھی نہیں لگ رہی؟''وہ اس کی آواز سے چونک اٹھی تھی۔

''ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو، اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔''اس نے کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے کاجل اٹھا کر اس کے کان کے پیچھے نظر کا ٹیکہ لگایا تھا۔۔۔۔بقیہ اگلے ماہ

افسانہ ☆شہادت☆

تحریر :راحیلہ بنت مہر علی شاہ

اس کے وجود کو بڑے بے رحمی سے تپتی ریت پر گھسیٹا جا رہا تھا اس کے حلق میں مارے پیاس کے کانٹے اگ آئے تھے۔۔۔۔ یہ کون لوگ تھے اور اسے کیوں اور کہاں لے کر جا رہے تھے؟؟؟

فلحال وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ یہ سب سوچ پاتا وہ بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کے بیچ جھول رہا تھا۔

مزید کچھ دیر گھسیٹنے کے بعد اس کے لمبے چوڑے وجود کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا اور اس بار درد کی ایک شدید لہر پورے جسم میں اٹھی اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں کا آماجگاہ بن گیا، وہ کتنی دیر بے ہوش رہا اسے یہ تو یاد نہیں تھا لیکن اسکا پور پور دکھ رہا تھا جسم نیلے پیلے رنگوں سے پور تھا اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو بے اختیار منہ سے سسکاری نکل گئی۔۔۔ارے واہ پاکستانی کمانڈو تو بڑا نازک ہے اور اس وقت اس پر یہ تلخ ترین انکشاف ہو گیا کہ وہ بھارتی سور ماؤں کے قبضے میں ہے اسے ایک نہایت اہم مشن پر بھیجا جانے والا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ اغوا ہو گیا یہ بات زہر میں بجھے تیر کی طرح اس کے دل و دماغ میں پیوست ہوئی اس نے انگارہ بنی آنکھوں سے سامنے کھڑے اس فوجی کو دیکھا تو اس نے ڈرنے کی ایکٹینگ کی اور پھر اچانک تیر کی طرح اس کی طرف لپکا مجھے آنکھیں دیکھا رہا ہے؟ مجھے۔۔۔اس نے اسے گردن سے پکڑ کر کہا، سیدھی طرح بتا اس خفیہ مشن کے بارے میں ورنہ یہیں پہ گاڑھ دونگا۔۔۔

بب بتا تا ہوں۔۔۔اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

ایک جھٹکے سے اس کی گردن کو چھوڑا گیا بڑی جلدی سدھر گئے؟ باوردی شخص نے تمسخر اڑایا۔

میری ایک شرط ہے اس نے کہا تو گھرے گھرے سانولے رنگ کے کرخت چہرے والے رنجیت سنگھ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔۔۔بولو؟

میں بھارتی آرمی کے بڑے آفیسرز کے سامنے اس مشن کے بارے میں بتاونگا اس نے اپنی شرط بتادی ، تو رنجیت سنگھ نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا اس کی وجہ؟ وجہ ہے اور یہ بھی میں اس وقت بتاونگا اور پھر لاکھ کوششوں کے باوجود کمانڈر حماد شیرازی کی زبان نہیں کھلی اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ بڑے آفیسرز کے سامنے ہی بولے گا اور آخر کار اس کی بات مان لی گئی کیونکہ اس خفیہ مشن کے بارے میں جاننا بھارت کے لئے ضروری تھا جب سارے آفیسرز کمرے میں داخل ہوئے تو ایک عجیب سی چمک کمانڈر حماد شیرازی کی آنکھوں میں نظر آئی ۔۔۔

اس چوہے کو بندھا کیوں ہے؟؟؟ یہ بیچارہ تو اب بھوک کے مارے مرنے والا ہے اب یہ خود سے مچھر بھگانے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور آپ لوگوں نے اسے باندھا ہے چھ چھ۔۔۔ اس کی بات پر سارے آفیسرز قہقہہ لگا کہ ہنس پڑے۔۔۔ اے رنجیت کھول اسے ایک آفیسر نے کہا ۔۔۔

رنجیت سنگھ نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اب جلدی سے شروع ہو جاؤ ہمارا مزید سمے برباد مت کرو ایک آفیسر نے حماد پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر کہا اس نے ایک چور سی نگاہ اپنے اردگرد ڈالی پانچ آفیسرز کے علاوہ سات اسلحہ برادر اس کے اردگرد کھڑے تھے اور اچانک ہاں۔۔۔ بلکل اچانک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے ایک فوجی کے اوپر چلانگ لگادی اور بجلی کی سی تیزی سے اس نے اس کا کلاشنکوف اپنے قبضے میں لے لیا۔۔۔ اسلحہ نیچے۔۔۔ حماد کی سرد سپاٹ آواز گونجی ایک ایک کر کے سب نے اپنے ہتھیار نیچے رکھدیئے وہ اس حملے کیلئے قطعی تیار نہیں تھے سب کچھ اتنی جلدی اور اچانک ہوا کہ جب وہ سنبھلتے تب تک کمانڈر حماد دیدہ دلیری دکھا چکا تھا ،حماد کے پاس وقت کم تھا کچھ بھی ہوسکتا تھا اس لئے وقت ضائع کیے بنا اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اگلے پل بارہ کے بارہ بھارتی سور ماجہنم واصل ہو چکے تھے اس کے بعد دروازے کو توڑا گیا اور اس پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گی لیکن شہادت کے رتبے پر فائز ہونے سے پہلے پاکستان کے اس مجاہد بیٹے نے مزید کئی فوجیوں کو ٹھکانے لگایا اور بہت کو

زخمی اس کے بعد اس کا وجود پے در پے گولیوں سے زخمی ہوا اور اس نے وہ موت پائی جس کا خواب دیکھا کرتا تھا اور اس کے جسم میں نصب اس آڈیو ٹیپ سے جب اس کا آخری وقت کا کلمہ پاکستان میں سنا گیا تو تمام فوجیوں اور آفیسرز کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے کیونکہ پاکستان ایک اور کامیاب اور نڈر آفیسر سے محروم ہوا اور جب حماد شیرازی کی ماں کو جوان جہاں بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو بجائے رونے کے شکرانے کے نوافل ادا کیے اس نے کیونکہ بقول شہید حماد کی ماں کے" مجھے فخر ہے کہ میں ایک شہید کی ماں ہوں کہ میرا بیٹا اس ملک کے کام آیا" اللہ ہم سب کو اس ملک کے حفاظت اس کے فلاح و بہبود اور اس کے عوام کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کی توفیق عطاہ فرمائے۔ آمین

افسانہ ☆معاشرہ☆

ازقلم: انمول عائشہ صدیقی۔

مارکیٹ سے گزرتے ہوئے میری نظر بائیک پر سوار ایک coupleyoung پر پڑی انکے انداز سے اتنا علم تو ہو گیا تھا کہ وہ لوگ میاں بیوی نہیں ___

مگر میں نے ان کو دیکھ کر ان دیکھا کر دیا اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ جہاں مجھے اترنا تھا وہ لوگ بھی اسی مارکیٹ کی اسی شاپ میں داخل ہوئے تجسس تھا کہ اب مکمل ان دونوں پر ہونے لگا ____

شونا یہ بریسلٹ سچ میں تم پر بہت جچے گا لڑ کا لڑکی کا ہاتھ تھامے بہت محبت سے کہتا نظر آ رہا تھا ___

نہیں بابا آپ کوئی اور سا دیکھیں یہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا وہ لڑکی اک ادا سے کہہ رہی تھی میں دور کھڑی یہ مناظر دیکھ رہی تھی اتنے میں لڑکی کا موبائل بجا اور وہ نہایت اطمینان سے کال ریسیو کر کہ کہہ رہی تھی" جانو میں ذرا اپنی سہیلی کے ساتھ ایک مارکیٹ تک آئی ہوئی ہوں اور ابھی مجھے وقت لگے گا گھر آنے میں آپ ایک کام کرنا حمزہ کو سلا دینا صبح اسکا اسکول ہو گا ____ میں بس مارکیٹ سے سیدھی گھر ہی آ وٗں گی ____

انتہائی اطمینان سے وہ جھوٹ کہہ کر موبائل پرس میں ڈالے پھر اسی لڑکے سے ویسے ہی بات کر رہی تھی ____

اور میں تو جیسے وہیں کھڑی کی کھڑی ہی رہ گئی تھی ____

مجھے حیرت ہو رہی تھی اس کے ساتھ کھڑے اس لڑکے پر اسکے ساتھ آئی غالبًا ایک بچّے کی ماں پر اور اس سے بات کرتے اسکے بے خبر شوہر پر ____

میری کیفیت انتہائی عجیب ہو گئی میں نے یہ تو دیکھا تھا کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی کالج ، یونیورسٹی سے ایسے بنگ کر کے نکلتے ہیں مگر ایک ماں کو ایسا کرتے پہلی بار دیکھ رہی تھی کیا معلوم اسکے ہمراہ وہ لڑکا بھی بیوی

رکھتا ہو___ معاشرہ کس سمت جا رہا ہے میں بس یہی سوچ رہی تھی اور دل میں یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ جس بچّے کی ماں ایسی ہو گی تو وہ کیا تربیت دے گی اس بچّے کو_____

سچ ہے معاشرہ خود نہیں بگڑتا اسے بگاڑا جاتا ہے___

اسی معاشرے میں رہنے بسنے والے بگاڑتے ہیں_____

☆☆☆

افسانچہ ☆جہنمی☆

آمنہ نثار (اسلام آباد)

مولوی صاحب جوش وخروش سے خطاب کرر ہے تھے.....ہمیں بے بس مظلموں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے اس سے ہمارا رب ناراض ہوتا ہے.....دوسروں پر رحم کرنا چاہیے اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیئے یہ کام ہمیں گناہ کی طرف اور گناہ ہمیں جہنم کی طرف لے جاتا ہے جو کے برے لوگوں کا ٹھکانا ہے......اپنے غصے اور نفس پر قابو رکھنا چاہیے......بے شک اللہ رب العزت صبر کرنے والوں کو اپنا دوست رکھتا ہے......

خطاب کے اختتام پر مولوی صاحب نے گھر کی راہ اختیار کی..............کھانا ابھی تیار ہو رہا تھا اور مولوی صاحب کے پیٹ میں بھوک سے بل پڑ رہے تھے......

غصے سے بلند آواز میں بولے اے جہنمی عورت تجھے مجازی خدا کا کوئی خیال نہیں ساتھ ہی ایک موٹی سی گالی اور دو چار تھپڑ رسید کر دیئے...........

افسانہ ☆ساحرہ☆

تحریر: بیا خان۔

"یاہوآج میم طاہرہ غیر حاضر ہیں اس بریکنگ نیوز کے ساتھ میں ہوں آپکی دوست عاصمہ لیاقت" عاصمہ خوشی سے چلاتے ہوئے دھپ سے اپنے گروپ کے پاس آ کر بیٹھی۔

"یاہوآ تو پھر اس خوشی میں آج میں تمہیں سموسے کھلاتی ہوں" ثنا کی اس بات پر سب مسکراتی ہوئیں اٹھی اور کینٹین کی طرف چلیں

"ساحرہ سناؤ آج کچھ اپنی پیاری آواز میں" ثنا کے کہنے پر ساحرہ مسکرا کر غزل سنانے لگی "خدا ہم کو ایسی خدائی نا دے کہ اپنے سوا کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نا دے" غزل ختم ہوئی تو دونوں نے بے اختیار داد دیتے ہوئے تالیاں بجائیں تھیں۔

چھٹی میں عاصمہ اور ساحرہ ساتھ آتیں تھیں "ساحرہ کیا بنا تمہارے رشتے کا تم نے کیا انکار؟" "نہیں یار کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں ابا نے تو کہہ دیا ہے میں امتحان نہیں دونگی اور یہ آخری ماہ ہے میرا کالج میں" ساحرہ کے لہجے میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا......

"اماں آپ ابا سے بات کریں نا کہ جب اتنا اچھا رشتہ ہے تو کیا ضرورت ہے ساحرہ کو کسی نفسیاتی سے باندھنے کی؟" ساحرہ کی چھوٹی بہن ماہرہ اماں کو منانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

خاموش رہو تم بڑوں کے معاملات میں مت بولا کرو نفسیاتی نہیں ہے وہ کیا ہوا اگر عقل سے کم ہے اور تھوڑا غصے والا ہے تو شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گا اپنی برادری کا ہے برادری میں بس دو رشتے ہیں یا تمہاری پھپھو کا چار سالہ عمر یا پھر تمہارے ابا کے ماموں کا 38 سالہ حسین ماہرہ ہم برادری سے نہیں کٹ سکتے بچے ہماری آگے 2 بیٹیاں اور ہیں" اماں اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی اندر چلی گئیں ماہرہ نے کچن کے

دروازے پر کھڑی ساحرہ کی خالی آنکھوں میں دیکھا اور وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔
آخر کار شادی ہو ہی گئی اور پہلے ہی دن سے ساحرہ کا امتحان شروع ہوا روز کپڑے بدلنے پر پہلا اعتراض ہوا "روز کس کو دکھانے کے لئے بھاری جوڑے پہنتی ہو" اسے اپنے بال بہت پسند تھے اگر کبھی کوئی ہیر سٹائل بناتی تو اعتراض اٹھتا "فرنگیوں کی طرح بال مت بناؤ" غرض ہر بات پر اعتراض ایک صبح ساحرہ کا موڈ بہت اچھا تھا کیوں کہ حسین نے اس سے بہت اچھے سے بات کی وہ گنگناتے ہوئے بال بنا رہی تھی جب حسین اٹھا اسنے آخری بل دیا اور بینڈ چٹیا میں لگا کے مسکرا کر حسین کو دیکھا لیکن اگلے ہی پل ڈر گئی حسین کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا "بتا کس سے مل کر آئی ہے کس کے لئے گا رہی تھی آج علاج کرتا ہوں تیرا" یہ کہ کر حسین نے قینچی اٹھائی پہلے تو ساحرہ کی چوٹی ہی جڑ سے کاٹ ڈالی اور پھر وہی قینچی اس کے سر پر وحشیوں کی طرح مارنے لگا ساحرہ کی حیرت سے پھٹی آنکھیں بند ہوئی اور حسین کو ہوش کی دنیا میں لے آئیں۔
جب ساحرہ کی آنکھ کھلی تو وہ ہسپتال کے بیڈ پر تھی لیکن وہ غنودگی میں ہی رہی اماں کو ابّا نے مشکل سے گھر بھیجا اور اب ڈاکٹر سے کنڈیشن پوچھنے لگے تھے ڈاکٹر نے انھیں کوئی امید نہیں دلائی تھی کیوں کہ چوٹیں سر پر لگیں تھیں اور بہت زیادہ لگیں تھیں ابّا بہت پریشان تھے کیوں کہ برادری مان رہی تھی کے حسین غلط ہے لیکن اس کے خلاف فیصلہ بھی نہیں کر رہی تھی انکا کہنا تھا اسکی عورت ہے اس معاملے میں کسی کو بولنا نہیں چاہیے......ابّا ابھی وارڈ کے قریب آئے تھے کے انہیں چیخیں سنائی دیں وہ ماہرہ چیخ رہی تھی ابّا بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے "ابّا ساحرہ چلی گئی ابّا ابھی آنکھیں کھولیں تھیں مجھے دیکھا تھا ابّا" ساحرہ کے ابّا ایسے تھے جیسے سنگی مجسمہ وہ ہل نہیں پا رہے تھے......
غم پرانا ہو بھی جائے اس پر کھرنڈ بھی آ جائے پھر بھی ہلکا سے چھیڑنے سے پہلے سے زیادہ تکلیف دیتا ہے اور ساحرہ کے ابّا کو بھی یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی جب برادری ایک بار پھر اسی حسین کے لئے ماہرہ کا

رشتہ لینے یہ کہ کر آئے کہ وہ بہت شرمندہ ہے معافی چاہتا ہے۔

ابّا غصے کی زیادتی سے کچھ بول نہیں پا رہے تھے بس اتنا کہا "مجھے برادری کی ضرورت نہیں ہے اگر اس بات پر برادری مجھے چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے آپ جا سکتے ہیں"

پھر ابّا نے ماہرہ کا رشتہ اپنے ہی محلّے کے علی سے کر دیا جو محلّے کا سب سے اچھا اور پڑھا لکھا لڑکا تھا ماہرہ کو پسند بھی کرتا تھا وہ لوگ کئی بار آئے تھے لیکن اس وقت ابّا یہ بات سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے......رات کو سب کے سونے کے بعد چمکتے چاند کو دیکھنے ماہرہ چھت پر آئی وہ دکھی بھی تھی اور خوش بھی اسے آج ساحرہ بہت یاد آرہی تھی اس نے آسمان کی جانب دیکھ کر کہا ساحرہ آج تمہاری بدولت میں مرنے سے بچ گئی" یہ کہ کر وہ دکھی دل سے مسکرائی اور سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک بات سوچ رہی تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہونے کے لئے کیا کسی کی جان کا چلے جانا ضروری ہے؟، کیا اچھا رشتہ اس وجہ سے ٹھکرا دینا ماں باپ کی غلطی نہیں ہے کہ وہ برادری سے تعلق نہیں رکھتا؟ اس سوچ نے اسکے چہرے کی پھیکی مسکراہٹ بھی چھین لی تھی......

☆☆☆

انٹرویو

شخصیت: سباس گل

ترتیب: کہکشاں صابر

"زندگی کی ساری خوبصورتی رب کائنات کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور ایک دوسرے کا احترام کرنے میں ہے۔" یہ الفاظ ہیں عصر حاضر کی نامور مصنفہ اور منفرد اسلوب کی شاعرہ "سباس گل" کے سباس گل پنجاب کے شہر رحیم یار خان میں پیدا ہوئیں۔ ان کی تحاریر پچھلے سولہ سال سے مختلف جرائد میں پبلش ہو رہی ہیں ..... متعدد میگزینز و اخبارات میں غزلیات، آزاد نظمیں، آرٹیکل اور کالمز جلوہ افروز ہو چکے ہیں .... تاہم جو شہرت انہیں ناولز اور افسانے سے ملی وہ سرمایہ افتخار ہے .... اب تک ناولز اور افسانوں پر مشتمل نو کتب مارکیٹ میں آ چکی ہیں ..... دو کتابیں انشاءاللہ مارچ میں مارکیٹ میں دستیاب ہوں گی۔ آج کل حجاب ڈائجسٹ میں رائٹرز اور شاعروں کے انٹرویوز لا رہی ہیں، نئے افق ڈائجسٹ کے سلسلے ذوق آگہی کی انچارج بھی ہیں، ...... اب تک جو کتابیں قارئین سے پزیرائی حاصل کر چکی ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں ....

چلو چاہت نبھائیں ہم، اعتبار_ عشق، سرلوح شام_ فراق پھر، تم سنگ نیناں لاگے، محبت رنگ بدلتی ہے، امل، اک تیرے آنے سے .... سباس گل کی تحاریر کا فسوں پڑھنے والے کے احساس کو سحر زدہ کر دیتا ہے .... انہوں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو فنکارانہ ڈھنگ سے پیش کیا ہے، ان کی کہانیوں کا ماحول قاری کو اپنا اسیر کر لیتا ہے، .... اس بار ہماری یادوں بھری نشست خاص کی خاص مہمان محترمہ سباس گل صاحبہ ہیں، جو اپنے نام کی طرح خوبصورت عادات اور اخلاق کی مالک ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ سباس گل ہمیشہ خوش رہیں اور گلشن_ ادب میں یونہی تحریری گلدستے سجاتی رہیں ....

................آمین

السلام علیکم:

1= ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں بتائیے۔۔۔بچپن کیسے گزرا۔۔۔کیسی طلبہ علم تھی؟

=وعلیکم اسلام۔۔۔بھئی ہمارا بچپن تو بہت شرارتوں سے بھرپور گزرا،ٹک کر بیٹھنا تو آتا نہ تھا۔اکثر امی حضور سے ڈانٹ کے ساتھ مار بھی کھانے کو وافر مقدار میں ملا کرتی تھی۔اور طلبہ تو ہم ٹھیک ٹھاک تھے جوں جوں تعلیمی معارج طے ہوتے گئے۔۔ذہین ہوتے چلے گئے۔گو کہ پوزیشن کم ہی لیا کرتے تھے ہمیشہ چند مارکس سے پوزیشن رہ جاتی تھی۔مگر نالائق ہرگز نہیں تھے۔

2= لکھنے لکھانے کا شوق کیسے پیدا ہوا،پہلی تحریر کیوں،کیسےاور کیا سوچ کر لکھی تھی؟

= لکھنے لکھانے کی ابتداء تو ہم نے پہلے ہی بتایا تھا کہ الف،ب،پ اور اے بی سی سے ہوئی تھی۔پہلی تحریر کیوں لکھی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اک خیال بہت ہلچل مچا رہا تھا دماغ میں۔کیسے لکھا؟ بال پوائنٹ اور پیپر لیا اور لکھ ڈالی۔۔کیا سوچ کر لکھی؟ دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی وہ دور کرنے کے لیے لکھی۔جو ذہن میں آیا لکھ دیا۔۔یہ تو بہت بعد میں پتہ چلا کہ یہ ناول ہے یہ افسانہ ہے۔

3= جب پہلی تحریر شائع ہوئی, کیا تاثرات تھے۔کب آپ کو محسوس ہوا کہ آپ ناول بھی لکھ سکتی ہے؟

=پہلی تحریر شائع ہونے پر بہت خوش تھے۔اور ہم نے جب باقاعدہ لکھنا شروع کیا تو سب سے پہلے ناول ہی لکھا تھا۔لہذا یہ سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ ہم ناول بھی لکھ کر دیکھیں۔البتہ افسانے ہم نے بعد میں ناولز کے ساتھ ساتھ لکھنے شروع کیے۔کہانیاں تو ہم ہر وقت ہی کورس کی کاپیوں پر لکھا کرتے تھے۔

4= آپ کا ایک کامیاب لکھاری کے طور پر یہ سفر کیسا رہا؟

=الحمدللہ اک رائٹر کی حیثیت سے ہمارا سفر ٹھیک رہا۔کامیاب رائٹر کا فیصلہ تو پڑھنے والے کرتے ہیں

۔ہاں اس سفر میں بہت سے نقصان بھی اٹھائے۔ کچھ ایڈیٹرز کی لاپرواہی اور غفلت کے طفیل کئی قیمتی بہترین ناولز بھی گنوائے۔ جو ہمارے لیے بہت دکھ کا سبب بنے۔۔

5= آپ کے افسانے اور ناول۔۔۔ جگ بیتیاں ہے یا آپ بیتیاں؟

=زیادہ تر جگ بیتیاں ہیں۔

6= ایک ہاؤس وائف ہونے کے ساتھ لکھنا بھی؟ کیسے سب معاملات ایک درست اور صحیح سمت میں رکھتی ہیں؟

= ہر کام کو مینج کرنا پڑتا ہے۔ پہلے گھر کا کام اس کے بعد اپنا لکھنے کا شوق،اس کے لیے وقت ملتا نہیں بلکہ نکالنا پڑتا ہے۔

7= کبھی لکھنے لکھانے کی وجہ سے گھر والوں طرف سے کوئی شکایت ہوئی۔۔۔۔ کہ وقت نہیں دے پاتی؟

= ہرگز نہیں! ہم نے کہا نا کہ پہلے گھر اور گھر والے،اس کے بعد کوئی اور کام۔ جب آپ اپنی گھریلوں ذمے داریاں احسن طریقے سے پوری کر رہے ہوں تو شکایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

8= آپ کو کیا لگتا ہے اصل زندگی میں محبت کا کتنا عمل دخل ہے؟

= اصل زندگی میں محبت ہی کا عمل دخل ہو تو ہی رشتے جڑے رہتے ہیں۔ خاندان بنے رہتے ہیں۔اک صدابہار گیت یاد آرہا ہے۔۔۔

"محبت کے دم سے یہ دنیا حسن ہے"

"محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے"

9= کیا محبت سے تمام راستے آسان ہو جاتے ہیں؟

= جی ہاں! محبت ہر راستہ، ہر منزل، ہر سفر آسان بنا دیتی ہے کامیاب اور سرخرو کر دیتی ہے۔ یہ محبت اپنے سے جڑے ہر رشتے سے ہو یا اپنے کام سے ہو۔محبت تو اس کائنات کی بنیاد ہے۔ بنیاد سے جڑ کر ہی

عمارت مضبوط اور پائیدار بنتی ہے۔

10 = آپ کی تحریروں کے باعث آپ کو کیسا ریسپانس ملا۔۔کبھی کچھ برا مطلب تلخ سننے کو ملا۔۔جس کی آپ کو امید نہیں تھی؟

= الحمداللہ! ہمیں ہماری تحریروں کا ہمیشہ بہت اچھا اور مثبت رسپانس ملا ہے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بہت طنزیہ،تنقیدی اور تلخ رسپانس یا تبصرہ پڑھنے ،سننے کو ملا ہو۔ یہ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے ہم پر جس نے ہماری تحریروں کو عزت بخشی۔

11 = آئندہ کا کیا پلان ہے کچھ الگ, کچھ ایسا ذہن میں ہے کوئی ناول کا پلاٹ وغیرہ۔۔۔اپنے قارئین کو اس کی خوشخبری دے گی جو آپ کی تحریروں کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں؟

= آئندہ انشاء اللہ تعالی! ٹیلی ویژن کے لیے لکھنے کا ارادہ ہے۔کافی عرصے سے اچھی آفر مل رہی تھی۔سو اب سوچا ہے کہ ڈرمہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی جائے گی۔آگے اللہ کی مرضی اور آپ سب کی دعائیں چاہیں ہیں۔اور خوشخبری یہ ہے کہ ان شاءاللہ تعالی! ہمارا ناول "محبت دل پر سجدہ ہے" جو آپ آنچل ڈائجسٹ میں پڑھ چکے ہیں اسی سال کتابی شکل میں مارکیٹ میں آرہا ہے اور اس کے علاوہ ہمارا ناول "ماما" بھی کتابی شکل میں آرہا ہے۔ہماری خواہش ہے کہ آپ سے ماما ضرور پڑھیں اور اپنی آراء سے ہمیں نوازیں۔

12 = سخت پریشانی میں سب سے پہلے کس کا خیال دل و ماغ میں آتا ہے۔جو آپ کے لیے بہترین راہ کا انتخاب کریں؟

"اللہ تعالیٰ" ہم ہر مشکل پریشانی میں اللہ تعالی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔اس سے مدد،رہنمائی اور آسانی مانگتے ہیں اور یقین مانیے اس پاک ذات نے ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں لوٹایا۔وہ ہمیشہ ہمارے آنسوؤں کا ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھوں کا مان رکھتا ہے۔۔شکر الحمداللہ

13 = کامیاب زندگی گزارنے کا سنہری اصول کیا ہے جس سے زندگی کی منزل پا لینے میں آسانی ہو؟

اللہ تعالی! پر یقین کامل، سخت محنت، برداشت اور صبر۔۔

14 = حد درجہ مصروفیت میں کبھی ذاتی زندگی متاثر ہوئی ہے؟

= ذاتی زندگی تو نہیں، ہاں البتہ ذاتی صحت بہت متاثر ہوئی ہے۔۔ ہاہاہا! سب کے لیے وقت مل جاتا ہے بس اپنا آپ رہ جاتا ہے۔

15 = زندگی میں جو چاہا پا لیا، یا ابھی کوئی خواہش باقی ہے؟

خواہش چھوڑ دی میں نے

جب سے خود کو جوڑا ہے

میں نے اپنے رب کے ساتھ

جب سے میں نے سیکھا ہے

رب کے آگے ہاتھ پھیلانا

اشک بہانا

تب سے میں نے

خواہش کرنا چھوڑ دیا ہے

دعا کی جانب

جیون کا رخ موڑ دیا ہے۔

16 = کون سی ڈیشز اچھی لگتی ہے۔۔ اور کس کے ہاتھ کی؟

= ہمیں۔۔! یخنی والا پلاؤ، مصالہ فش، شامی کباب، قیمہ کریلے اور حلیم بہت پسند ہیں۔ اپنے ہاتھ کے کیونکہ کوکنگ میں خود ہی کرتی ہوں۔ لہذا اپنے ہاتھ کی ہی پکی کھانی پڑتی ہے۔ امی حضور اور بڑی بہن

کے پکے کھانے بھی بہت مزیدار ہوتے ہیں۔جنہیں کھائے ہوئے مدت ہو گئی۔۔

17=کبھی کچھ الگ کرنے کا سوچا، ملک وقوم کے لیے کیا خیالات ہے آپ کے،سیاست کے بارے میں کیا خیال ہے؟

=ملک وقوم کے لیے بہت سوچتے بھی ہے اور کڑھتے بھی ہیں جہاں تک ممکن ہو اپنے دائرے میں رہتے ہوئے کچھ اچھا اور بہتر کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔رہی بات سیاست کی تو یہ وہ سیاہ---ست ہے جو ہمارے حکمرانوں نے اپنے چہروں پر مل رکھا ہے۔لہذا سب کو اپنا اور دوسروں کا چہرہ اک سا دکھائی دیتا ہے۔بابائے قوم محمد علی جناح کی سیاست بھی ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔کبھی بہت دلچسپی تھی ہمیں سیاست میں،اب نہیں رہی۔اب دلی دعا ہے کہ سیاستدان پاکستان کی قدر کریں۔اور اللہ سیاستدانوں کو نیکی کی ہدایت اور ایمانداری سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔آمین۔

18=شہرت نے آپ کی زندگی پر کیسا اثر کیا؟

=شہرت نے مزاج میں عاجزی پیدا کی ہے زندگی پر بہت مثبت اور گہرا اثر ڈالا ہے۔

19=محبت۔شہرت اور دولت میں سے آپ کیا انتخاب ہو گا؟

=محبت۔۔۔۔!دولت بھی اتنی ہونی چاہیے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کے محتاج نہ ہوں۔

20=کبھی کوئی ایسا دوست ملا جس کی دوستی پر فخر ہو کہ یہ اگر زندگی میں ناں ہوتا تو شائد میں اتنی کامیاب نا ہوتی؟

=بچپن کی دوست ہیں،فردوس نعیم ان کی دعائیں خلوص اور ساتھ ہمارے لیے ہمیشہ قابل فخر رہا ہے

21=والدین کی محبت کو کیسے بیان کریں گی۔۔۔۔خاص طور پر والدہ کے بارے میں۔۔۔؟

والدین کی محبت کا کوئی انت نہیں ہے۔آپ جتنی بڑی غلطی کر لے۔بدتمیزی کر لے۔نافرمانی کر لے۔ انھیں ٹھکرا کر دنیا کی طرف جائیں۔اور جب وہ دنیا آپ کو ٹھوکر مارتی ہے۔قبول نہیں کرتی تو۔یہ

والدین ہی ہوتے ہیں۔قبول نہیں کرتی تو۔ یہ والدین ہی ہوتے ہیں۔ جو آپ کی ہر غلطیاں۔ ذیارتی۔ بدتمیزی۔نافرمانی بھلا کر آپ کو سینے سے لگاتے ہیں۔اپنے گھر میں جگہ دیتے ہیں۔
آجکل کے نوجوانوں سے ہم ایک بات ضرور کہیں گے۔کہ اگر والدین آپ کوڈانٹتے۔ مارتے یا گالیاں دیتے ہیں غصہ کرتے ہیں۔تب بھی ان سے تنفر اور بدگمان مت ہوں کیونکہ یہ وہ واحد راشتے ہیں جو آپ کوڈانٹ مار کر بھی آپ سے پیار کرتے ہیں۔آپ کی بہتری چاہتے ہیں۔آپ کو کبھی۔کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑتے۔آپ اپنا دکھ۔درد بیان کروان کے سامنے وہ سنیں گے۔دکھی بھی ہوں گے۔دعائیں بھی دیں گے۔ ماں تو جنت کی ہوا ہے۔ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ماں راضی۔تو رب راضی۔
22=بچپن کا کوئی خاص واقعہ جو آج بھی لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہو۔۔۔؟
=ہمارے گھر کے سامنے اک جھیل سی ہوا کرتی تھی۔ہمارا بہت دل چاہتا تھا۔کہ اس جھیل میں کشتی چلائیں۔چھوٹے بھائیوں کے ساتھ مل کر اک دوپہر ہم نے اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا منصوبہ بنایا۔اور گھر میں موجود اک پرانا سوٹ کیس لکڑی کے دو ڈنڈے لیئے چپو کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اور تینوں بھائی بہن پہنچ گئے جھیل کنارے۔جھیل زیادہ گہری نہیں تھی۔لہذا ڈوبنے کا ڈر نہیں تھا۔ہم بہت خوشی اور جوش میں سوٹ کیس میں بیٹھ کر چپو چلانے لگے۔سوٹ کیس جو ہماری کشتی تھا چند قدم دور گیا اور چونکہ موٹے گتے کا بنا ہوا تھا لہذا گتا گیلا ہو گیا اور کشتی ڈوبنے لگی۔۔تب ہم چھلانگ لگا کر خشکی پر بیٹھے اور اپنی سوٹ کیس نما کشتی کو ڈوبتا دیکھ کر ہنسنے لگے۔یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے۔ہم بھائی،بہن اک دوسرے کو سنا کر بہت ہنستے ہیں آج بھی۔بچپن کے واقعات انمول ہوتے ہیں۔
23=پریشانی سے نکلنے کے لیے کیسے سدباب اپناتی ہے۔۔۔؟
=پریشانی کس نوعیت کی ہے۔اسی کے حساب سے لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں اور اللہ ہی سے دعا بھی مانگتے ہیں۔کہ وہ اس پریشانی کو دور کردیں۔

24=کوئی خاص مشغلہ جو دل و روح کو تسکین دے۔۔۔؟

=کوئی اچھی تحریر پڑھنا یا واک کرتے ہوئے تسبیح کرنا معمول ہے

25=تنقید کی کس حد تک قائل ہے کبھی کوئی تنقید کا سامنا آپ کو بھی ہوا۔۔۔۔؟

=تنقید برائے اصلاح کے قائل ہے،ہم مگر کچھ لوگ تنقید برائے تنقید اور تنقید برائے تذلیل کرتے ہیں۔جو

بہت نا مناسب سوچ اور رویہ ہے۔۔۔ہماری کسی تحریر پر کبھی تنقید ہوئی بھی ہے تو یہ کہ سباس گل محبت پر بہت لکھتی ہیں۔۔۔کچھ لوگ تحریر پڑھے بنا ہی یہ بات لکھ دیتے ہیں۔خواہ ماں باپ یا وطن کی محبت پر ہی لکھا گیا ہو۔

26=آخر میں آپ ہمارے میگزین ست رنگ کے لیے کچھ کہنا چاہیے گی؟

=سب سے پہلے تو کہکشاں آپ کا اور ست رنگ میگزین کی پوری ٹیم کا،ایڈیٹرز کا بہت بہت شکریہ!

کہ آپ نے اپنے میگزین میں ہمارے نام کا رنگ بھی شامل کیا۔ہماری دعا ہے کہ آپ اور آپ کا میگزین خوبصورت تحریروں اور محبتوں کے ست رنگ بکھیرتا رہے۔۔خوش اور کامیاب رہے

۔۔آمین۔۔۔!

27=پلیز آپ ہمارے لیے،ست رنگ میگزین کے لیے اپنے قارئین کے لیے جو آپ کو یہاں دیکھنا چاہتے ہیں کچھ ان کے لیے کوئی خوبصورت افسانہ لکھے گی۔۔۔؟؟

= جی ان شاءاللہ!ضرور لکھیں گے۔اگر ان پیج میں لکھ کر بھیجنے کی شرط نہ ہوئی تو، کیونکہ ہم کاغذ قلم استعمال کرنے والے لکھاری ہیں۔

بہت شکریہ اس عزت افزائی کے لیے۔۔جزاک اللہ

خوش رکھیئے۔۔خوش رہیئے۔۔

"پاکستان زندہ آباد"

نظم (شاعرہ: سباس گل)

کوئی پوچھے ذرا ان سے

کہ دل جب مر گیا ہو تو..... کیا

تدفین لازم ہے......؟

محلے کی کسی مسجد میں کیا......

اعلان..........واجب ہے؟

کوئی پوچھے ذرا ان سے......

محبت چھوڑ دینے پر......

دلوں کو توڑ دینے پر......

کوئی فتویٰ نہیں لگتا......؟

عجب قانون ہے.... صاحب

کوئی پوچھے ذرا ان سے......

محبت اس کو کہتے ہیں......؟

جو سب کچھ ختم کرتی ہے......

دلوں کو بھسم کرتی ہے......

اگر یہی محبت ہے......

تو پھر ایسی محبت سے......

اپنی بے رخی اچھی......

اگر یہی محبت ہے......

تو ایسی محبت سے......

تو یارو موت ہی........اچھی ہے۔

☆☆☆

نظم

برسوں پہلے ہم نے آنکھیں

الجھن کی گٹھڑی میں باندھ کے

خوابوں کے کندھے پر رکھ دیئے

اس لمحے سے لیکر اب تک

اکلاپے کی اس بستی میں

بھور سمے کا نیلا پنچھی

اک جگراتا ڈھونڈ رہا ہے

شاعر: کاشف شہزاد

آزاد نظم ﴿محبت﴾

محبت اب ہمیں ایسے کہیں رسوانہ کر دینا،

کے جیسے تتلیوں کے رنگ بکھیرتی جان پہ مرجائیں،

میرے پھیکے سے آنگن میں اجالا تو نہیں باقی،

مگر روشن سویرے سے ہمیشہ..................

زندگی کی اندھیری راتوں کو،

سنوارا ہے،

سمیٹا ہے،

میرا لہجہ میرا قہقہہ نہیں بنتا،

محبت سے میرا کوئی بھی ایسا ڈھنگ،

نہیں بنتا............................!

مگر اے سوچ کے پنچھی مجھے مردہ نہ کر دینا،

محبت اب ہمیں ایسے کہیں رسوانہ کر دینا............................

شاعرہ: بشریٰ شاہ

غزل

زندگی کا نہیں کوئی بھروسہ وفا نبھانے تم چلے آ ؤ

دل ہے آج بہت اداس ملکھ دیکھانے تم چلے آ ؤ

سفر کب کٹتا ہے نہ ہو جب ہمسفر ہمراہ

پیام زندگی کو میری سنوارنے تم چلے آ ؤ

ناکام آرزو نا جانے کب ہو پوری یہاں

امید وفا کا اک دیا جلانے تم چلے آ ؤ

تیرے بنا زندگی تو رہے گی اک تماشہ

الجھے سوال کا یہ جواب سلجھانے تم چلے آ ؤ

میرے ہرجائی یہ آس ہے کب سے دل میں اپنے

اک دوست کا بن کر پیام نبھانے تم چلے آ ؤ

شاعرہ:عنبرین اختر لاہور

غزل

نہ جانے کیوں اس قدر کوئی دل کو اچھا لگتا ہے
کے خود اپنے ہی دل سے محبت کرنے کو جی چاہتا ہے

مٹا کر ہستی اپنی کسی کے کارن چلے ہیں نیا جیون پانے کو
زندگی اور بھی پیاری لگتی ہے جب یہ دل کسی پر مرتا ہے

اب یہ عمر کیسے کٹے گی کچھ اندازہ نہیں
کے مثل_ صدی تو اب اک اک لمحہ گذرتا ہے

کسی کی سوچ کو سمجھنا ہوتا ہے آساں بہت مگر
اسی سوچ کو جینے کے لیئے اکثر جی کو جلانا پڑتا ہے

آنکھوں سے اڑا کے نیندیں بے چینی جو بخشے دل کو
اسی دل کے دشمن کی خاطر اکثر یہ دل دنیا سے لڑتا ہے

مجھ میں سمانے والا جو توڑ گیا مجھے تو دربدر ہوگا
بس اسی ایک خیال سے میرا یہ دل بہت گھبراتا ہے

اب ہلکی سی بھی بے رخی ہوتی نہیں برداشت معصومہ
بن تیرے بے وجہ یہ دل_ ناداں سرد آہیں بھرتا ہے

از قلم: معصومہ ارشاد سولنگی

غزل

لہو میں زہر کیوں ہم نے اتارا

چلے اس راہ جس پر تھا خسارہ

زمانے بھر میں چرچا ہے ہمارا

کہ چھوڑ آئے کنارے پر کنارا

بچھڑ جاؤ بچھڑنا ہے جو تم کو

محبت سے ہے مجھ کو درد پیارا

منانے کا نیا انداز دیکھو

کسی نے پھول میرے منہ پہ مارا

خبر ہے تم نہ آؤ گے پلٹ کر

اسامہ کیوں تکے رستہ تمہارا۔

شاعر : اسامہ زاہروی ڈسکہ

غزل

میرے اپنے تھے سو سہتے ہی بنی
دل کی پھر غیر سے کہتے ہی بنی

اس کی تھی ایک نظر وہ سرسری
قیدِ اُلفت میں یوں رہتے ہی بنی

تم کو بتاؤں کہ رِم جھم کیا ہے
یاد جو آنکھ سے بہتے ہی بنی

اپنی تیرہ شبوں سے نسبت بھی
چاندنی چاند میں رہتے ہی بنی

کیوں مجھے کوئی نہ چاہے آخر
غمِ جاں بس تجھے سہتے ہی بنی

شاعرہ: سارا احمد

غزل

محبت کی قسم ایسا نہیں ہے

وہ میرا ہے مگر کہتا نہیں ہے

مری خواہش ہے وہ پھر مڑ کے دیکھے

مگر ایسا کبھی ہوتا نہیں ہے

گذر ہی گئے وہ اسکول کے دن بھی

مری قسمت میں اب بستہ نہیں ہے

گزرتا ہے مرے بازو سے ہردم

مگر کہتا ہے کہ رشتہ نہیں ہے

نہ جانے کیوں پرے رہتا ہے مجھ سے

مری صورت ابھی خستہ نہیں ہے

اگرچہ ہے ترے عشاق بہتیرے

ولے ان میں کوئی ہم سا نہیں ہے

مصائب تو بہت ہے زندگی میں

مگر کوئی یہاں پرسا نہیں ہے

اکارت ہوگئی میری وفا بھی

کہ جیسے کو یہاں تیسا نہیں ہے

ملیں گے یار تو بسیار ذیشاں

مگر کوئی ترے جیسا نہیں ہے..................

شاعر: عبید انصاری ذیشان (ابن حوا)

نظم (آ جاؤ)

آ جاؤ کہ!

تم بن بہت اکیلے سے ہو گئے ہیں......

تمہیں جو کھویا تو اب یہ ہے جانا......

تم ہی تو شامل تھے

میری رگوں میں

میری ان سانسوں میں

تمہاری خوشبو ہی

رچی بسی تھی......

لہو کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی......

تمہیں جو کھویا!!

تو اب یہ ہے جانا......!

تمہارے بن میں تو ادھوری نامکمل سی!

رہ گئی ہوں......

خدارا آؤ!

آ بھی جاؤ کہ

تمھارے بن!

ہم بہت اکیلے سے ہو گئے ہیں۔

شاعرہ: فری ناز

نظم "نوحہ خوشبو کا"

کل رات میری آنکھیں

خوابوں کے پروں پر

اس شہر کی ہواؤں کو چھو آئیں

جن میں بارود کی بو نہیں

جلے گلابوں کی خوشبو نہیں

جس کی گلیوں میں

انسانیت کا لہو نہیں

جہاں شہر کی سماعتیں

کسی گولی کی آواز سے آشنا نہیں

جہاں شہر کی بصارتوں نے

کسی نعش کو دیکھا نہیں

جس کے درودیوار پر

کسی ماں کی کراہ نہیں

کسی بہن کی آہ نہیں

کسی سہاگن کی بددعا نہیں

جہاں بچپن معصومیت سے کھیل رہا تھا

کوئی فکر نہیں

کوئی پرواہ نہیں

پھر اچانک اک خوفناک آہٹ پر آنکھ کھلی

چاروں جانب اندھیرا، سناٹا اوڑھے

خوف کے خراٹے لے رہا تھا

اس وقت بھیگی آنکھوں نے

آنسوؤں سے

عرش تک جانے والے راستوں پر

اک دعا لکھ دی

اے میرے خدا!

میرے اس خواب کو معتبر کر دے

میرے شہر کو پھر سے

محبتوں سے معطر کر دے

لہو برساتے بادلوں سے

برسنے کا ہنر چھین لے

شاعرہ: لبنیٰ غزل۔ کراچی

غزل

تاک میں سب تھے کہ کب تیری سواری نکلے
شہر والے بھی اداؤں کے شکاری نکلے

بچ نکلنے کا مرا کوئی بھی امکان نہیں
ترے کچھ جملے مرے زخم سے کاری نکلے

میں سمجھتی تھی کوئی بات نہیں، سہہ لوں گی
ہجر کے بوجھ توقع سے بھی بھاری نکلے

مر گئے، ضبط کا دامن نہیں چھوڑا ہم نے
منتظر لوگ تھے کب چیخ ہماری نکلے

ہم دل و جان سے پورا اسے کر لائیں گے
دل سے خواہش تو کسی طور تمھاری نکلے

جن میں دیکھی تھی کبھی دشت مزاجی میں نے
آج حیرت ہے وہ دنیا کے پجاری نکلے

جن پہ کرتی تھی صبا خود سے بھروسہ بڑھ کر
دوست وہ میرے تو دشمن کے حواری نکلے

شاعرہ: صبا جرال

نظم ﴿ابھی ابھی﴾

ابھی ابھی تو آئے ہو

کچھ بیٹھو تو ذرا صبر کرو

دھوکے کا زہر پیا ہے

بڑا مر مر کے جیا ہے

تیرے ساتھ کا مرہم رکھا ہے

آگے ہاتھ میں رب کے شفا ہے

تھوڑا وقت کو گزرنے دو

ان زخموں کو بھی بھرنے دو

اس زہر کا اثر بھی کم ہونے دو

تھوڑا سینے سے لگ کر رونے دو

اک مرض ہے لاحق بے اعتباری کا

پہلے کچھ کر لوں اس بیماری کا

بس اس طوفاں کو برس جانے دو

اس شب کو یونہی گزر جانے دو

پھر لے چلنا ساتھ اپنے افشی نام کے کھلونے کو

ابھی آمادہ دل نہیں ہے پھر سے برباد ہونے کو

شاعرہ: افشاں نور افشی

غزل

محبت دل کی بستی کا بہت روشن جزیرہ ہے
محبت کرنے والوں کی محبت ذات ہوتی ہے

محبت سانس بن جائے۔ بہت امکان ہے اس کا
کہ پھر ایسی محبت پر ہجر کی گھات ہوتی ہے

محبت چیز ایسی ہے دلوں میں روشنی بھر دے
جو ہو پھر بد گمانی تو محبت رات ہوتی ہے

محبت آنکھ سے جھلکے، یہ لہجے میں بھی در آئے
چھپانے سے نہیں چھپتا محبت ساز ہوتی ہے

محبت روح سے کی ہو ہوس سے پاک ہو گر یہ
وصل کے شہر میں اک دن ہجر کو مات ہوتی ہے

محبت کر چکے ہو گر کسی پہ مت عیاں کرنا
یہ سیپوں میں چھپے موتی کی مانند راز ہوتی ہے

شاعرہ: مالا راجپوت

نظم

آج خوش ہیں کتنے ہم

ہم نے دیکھا ہے اپنا صنم

دیکھا اسے تو کھل گئی

جیسے میرے دل کلی

اس کی آواز سے ہے مجھے نئی زندگی ملی

آج خوش ہیں کتنے ہم

ہم نے دیکھا ہے اپنا صنم

ہم بہاروں سے باتیں کرنے لگے ہیں

اور ستاروں پہ جیسے ہم چلنے لگے ہیں

آج خوش ہیں کتنے ہم

ہم نے دیکھا ہے اپنا صنم

دیکھا اس نے آج ہنس کر میری طرف

لوٹ آئی ہوں میں پھر زندگی کی طرف

آج خوش ہیں کتنے ہم

ہم نے دیکھا ہے اپنا صنم

دیکھتے ہیں روز سپنوں میں اپنا جو ہم

آیا سامنے آج وہ اپنا صنم

آج خوش..................

از قلم: انعمتہ گل

نظم ﴿چارہ گر﴾

مجھے ساتھ لے، میرے ساتھ چل......

کڑی دھوپ ہے......تنہا سفر

میرے چارہ گر

میری زندگی بھی تجھی سے ہے

میری بندگی بھی تجھی سے ہے

ہیں سجے تجھی سے یہ بام و در

میرے چارہ گر

یہ عنایتیں، یہ رفاقتیں، یہ ریاضتیں، یہ عبادتیں،

تیری اک نگاہ کی ہیں منتظر......میرے چارہ گر

تو نے جو کہا، وہ ہی حق میرا، تو نے جو سنا وہ ہی سچ میرا

تو ہے اعتبار، تو ہے معتبر

میرے چارہ گر۔

شاعرہ: ناہید کپور......

My feelings

My feelings are my flower

My flowers are my breaths

with each of my breath rekindles

a new beat in my heart

My feelings talk of you

My heart beat for you

surrender all my feelings

hold all my breaths

endow me a moment of care

cording all my aspirations

i wish ever you to speak

i desire ever for you

the Moon of your face

glitters on the land of my heart

the stare n your eyes

twinkle n the boundaries of my liking

each of my new tomorrow

find my yesterday n you

My loyality speak of you

My care ends n you

all my in born desires

My love my compassionate wish

enjoy the worth of your willingness

which empowers my sweet dreams.

Poetry by:FATIMA AHMED

ست رنگ ڈاک

السلام وعلیکم:

اس دن خوب کھل کر بادل برسے ہم نے خوب انجوائے کیا اور جب بارش رک گئی آسمان نے کالی چادر ہٹا کر نیلی آنکھوں کو خیرا کرنے والی چادر اوڑلی تو ہم صحن میں نکل آئے اور اچانک ہمارے دل میں بچپن کی ایک خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوئی کہ کاش دھنک نظر آئے لیکن ہماری نظریں مایوس سی واپس پلٹ آئیں ......اور پھر اچانک کسی نے پکارا کہ دھنک آ گیا ہے اور پھر ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا......جی ہاں جب سات رنگوں سے مزین فروری کا ست رنگ آ گیا ایک سے بڑھ کر ایک تحریر لاجواب تھیں ثمرین یعقوب کی درود شریف کے فضائل سے مستفید ہوئے، کوثر جہاں کی سبھی تحریری بہترین لگیں، کہکشاں صابر کا افسانہ یہ تیری محبت اچھا لگا، عشق سنگ مرمر سا، میں یہ سمجھ نہیں آتا کہ آخر بڑے نواب کو راز ن وغیرہ سے کیا پرخاش ہے وہ کیوں ان دونوں کو گاؤں سے بھگانے پر تلا ہے عبدالقیوم کے لئے بہت برا لگا اور صبا اس نے ایک بیٹی کی ماں ہو کر بہت گھٹیا حرکت کر لی...... تیرے بن جی نہ سکے (نعیم سجاد) میں نزہت کے ماضی کے بارے میں جان کر دکھ ہوا نزہت کو چاہئے کہ بیٹی کی سمت درست کرلے کیونکہ وہ انجان منزلوں کے پیچھے بھاگنے کیلئے پر تول رہی ہے دائم بہت اچھے ہیں ایک انجان لڑکی کے ساتھ اتنی بھلائی کرر ہے ہیں آجکل تو اپنے اپنوں سے دامن چھڑا رہے ہیں کجا کہ کیسی پر آئے کے کام آنا تینوں ناول بہت بہت اچھے جا رہے ہیں امید ہے کہ آئندہ بھی تینوں ناولز کے اقساط اسی طرح مزیدار ہونگی اور آخر میں، میں قارئین سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ میری تحریریں کیسی لگی پلیز باقی میگزین کے ساتھ ساتھ میری تحریروں پر بھی رائے دیں......شکریہ

راحیلہ بنت مہر علی شاہ (گاؤں آماخیل تحصیل وضلع ٹانک)

☆......☆......☆

السلام وعلیکم؛

مزاج بخیر......ست رنگ میگزین وقت کے ساتھ ساتھ بہتری کی طرف گامزن ہے جس کے لئے اس کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔فروری کے شمارے کا بے چینی سے انتظار تھا اور شمارہ آیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا......تمام سلسلے انتہائی دلچسپ اور منفرد لگے،اداریہ ہمیشہ کی طرح کچھ منفرد اور زندگی کی حقیقتوں کو ہم پر آشکار کرتا ہوا،اسلامی آرٹیکل دینی معلومات فراہم کرتے ہوئے......تمام آرٹیکل اچھے اور معلومات سے بھرپور لگے۔نعیم سجاد کا ناول "تیرے بن جی نا سکے" کی تیسری قسط بہت اچھی اور دلچسپ تھی۔مگر ابھی تک بہت گنجلک اور ابہام میں مبتلا کرتی ہوئی؟۔اقراء عابد کا ہے "عشق سنگ مرمر سا" بہت بہترین لگا مگر نجانے کیوں اقراء اتنی مختصر اقساط لکھ رہی ہیں کہ پڑھ کر تشنگی سی رہتی ہے،امید ہے ناول آگے چل کر بہت کامیابی حاصل کرے گا۔تیسرا ناول سعدیہ عابد کا "بند قباء کھلنے لگی جاناں" بھی بہت اچھا اور دلچسپ ہے کہانی ایک اچھے خاندانی نظام کو ظاہر کررہی ہے جہاں رشتوں ناتوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔مختصر افسانوں میں راحیلہ کے افسانے سبق آموز تھے اگر تھوڑی اور نوک پلک سنوار کے لکھے جاتے تو موضوع بہترین لگے،ثناء واجد،کہکشاں صابر،انمول عائشہ،ثناء شہزاد،ریما نور رضوان کے افسانے بھی اچھے تھے،مگر نعیم راجپوت کا افسانہ "داستان عشق" جو مغلیہ دور حکومت کی دلکش عکاسی کرتا ہوا ہے بہت ہی بہترین لگا ویلڈن نعیم سجاد......باقی میگزین کے لئے دعا گو ہوں اللہ پاک آپ لوگوں کو بہت کامیابی عطا فرمائے۔(آمین)

عینین رفیق(کراچی)

چکن منچورین

اجزاء:

چکن بریسٹ ایک عدد
کٹا لہسن چار جوئے
تیل تین کھانے کے چمچ
پائن ایپل سلائس دو عدد
ووسٹر ساس دو کھانے کے چمچ
چلی گارلک ساس چار کھانے کے چمچ
ٹماٹو کیچپ چار کھانے کے چمچ
کارن فلور دو کھانے کے چمچ
لیموں ایک عدد
کُٹی لال مرچ ایک چائے کا چمچ
پسی کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ
نمک حسب ذائقہ

ترکیب:

چکن بریسٹ کو اسٹرپس میں کاٹ لیں۔
پین میں تیل گرم کر کے کٹا لہسن فرائی کریں، جب تھوڑا براؤن ہو جائے تو چکن اور پائن ایپل سلائس شامل کر کے پکائیں۔
چکن کا رنگ بدل جائے تو آنچ ہلکی کر کے ووسٹر ساس، چلی گارلک ساس، ٹماٹو کیچپ شامل کر کے مکس کریں۔ پھر ایک لیموں کا رس، نمک، کُٹی لال مرچ اور پسی کالی مرچ ڈال کے مکس کریں۔
جب پکنے لگ جائے تو آنچ تیز کر کے کارن فلور پیسٹ) کارن فلور دو کھانے کے چمچ پانی میں مکس (شامل کریں۔ دو منٹ پکا کے سرونگ ڈِش میں نکال لیں اور پیش کریں۔

☆☆☆

آئسکریم سوفلے

اجزاء:

پائن ایپل جیلی ایک پیکٹ
جیلیٹن ایک کھانے کا چمچ
پائن ایپل سیرپ آدھا کپ
پانی ایک کپ
ونیلا آئس کریم آدھا لیٹر
فریش کریم دو سو گرام
لیموں کا رس حسب ضرورت
پائن ایپل ایک کپ
چیریز گارنش کے لئے

ترکیب:

پائن ایپل جیلی کو ایک کپ پانی میں حل کر لیں۔
جیلیٹن کو پائن ایپل سیرپ میں حل کریں اور جیلی میں شامل کر دیں۔
ونیلا آئس کریم اور ایک سو گرام فریش کریم کو پھینٹ لیں۔
پھر اسے جیلی، لیموں کا رس اور پائن ایپل کے ساتھ مکس کریں اور ایک سرونگ پیالے میں نکال لیں۔
اب اسے سیٹ ہونے کے لیے فریزر میں رکھیں۔
ایک سو گرام فریش کریم اور چیریز سے گارنش کر لیں۔

☆☆☆

send your feedback ,
stories , articles ,poetry on this
email address .
saatrang.magzine@gmail.com